فتوحاتِ فیروز شاہی

11. **Naguar—a Forgotten Kingdom**

12. **Tiles from Samarra in the Ashmolian Museum, Oxford.**

13. **Islami Musawwari** (Painting in Islama) a brief Survey in Urdu.

14. **Indian Links with Central Asia in Architecture and the Mosques of Samarqand.** London 1937.

15. **Aqa Riza-Ali Riza-Abbasi with Illustrations**

16. **Deccan's Contribution to Indian Culture** (English and Urdu).

17. **Tarikh-i-Muzaffar Shahi** (Persian Text), by Quanii, relating to A. H. 924's conquest of Mandu by Muzaffar II, of Gujarat with introduction both English and Urdu.

18. **Futuhat i-Firoz Shahi** (Persian Text) with introduced and notes.

19. **Muhammad Tughluq,** translated from Asqalani's Arabic account with necessar y intro. and notes.

[Aryabhushan Press, Poona 4.]

فتوحاتِ فیروزشاہی

از

سلطان

فیروزشاہ تغلق

مع مقدمہ و حواشی و ترجمہ بسعی

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

سنہ ۱۹۵۲ء

کتاب خانہ نورس کبیر سٹریٹ لاہور

قیمت ...... ۱۲ ار

اعتراف

دوران قیام پونہ میں اول مرتبہ ۱۹۴۱ء میں فتوحات فیروز شاہی کا متن فیروز پرنٹنگ پریس لاہور میں ایک قدیم مطبوعہ نسخے سے طبع کیا گیا تھا جو لاہور ہی میں ضائع ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر این بی راؤ نے رائل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل کلکتہ میں مسلم یونیورسٹی کے قلمی نسخہ فتوحات کا استعمال کر کے شائع کیا۔ اور اسی سال اس کا انگریزی ترجمہ بھی اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں چھاپ دیا۔ ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بعض احباب نے خود بھی اسے شائع کیا۔ چونکہ میرے مطبوعہ متن کے انگریزی مقدمہ اور سرورق پونہ ہی میں تھے۔ اس لئے میں نے از سر نو تینوں متنوں کی موجودگی میں دہلی میں ۱۹۴۶ء میں طباعت کا انتظام کیا۔ جو بالکل طبع ہو چکا تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ بھی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی میں ضائع ہو گیا۔ چنانچہ اب اسے از سر نو لاہور میں پھر شائع کیا جا رہا ہے۔ ان کے متن میں جو فروق تھے۔ ان کو بھی مدنظر رکھا ہے اور فارسی متن کا ترجمہ اردو جو یہاں الگ منسلک ہے وہ میرے دوست مولوی احمد الدین کا مرہون منت ہے۔ جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔

محمد عبداللہ چغتائی

لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء
۲۵ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مقدمہ

جب سلطان محمد شاہ بن تغلق کا انتقال دریائے سندھ کے کنارے ٹھٹھہ سے چودہ کوس کے فاصلے پر بتاریخ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ہوا تو وہیں اس کے چچیرے بھائی فیروز بن رجب کو بتاریخ ۲۴ محرم تخت نشین کیا گیا۔ جس کے بعد اس نے دہلی کا رخ کیا۔ سلطان فیروز شاہ کے عہد کے مورخین ضیا برنی اور شمس سراج عفیف نے "تاریخ فیروز شاہی" کے عنوان سے الگ الگ دو کتب میں فتوحات اور دیگر حالات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ مگر اس نیک سیرت بادشاہ نے تاریخ نویسی کے ضمن میں وہ کام کیا جو اس سے پیشتر ہندوستان میں کسی حکمران نے نہیں کیا تھا۔ یعنی اس نے اپنے عہد کے حالات کو خود فتوحاتِ فیروز شاہی کے نام سے قلمبند کیا جس میں وہ اپنی فتوحات کو بذریعہ آلاتِ حرب ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے کارہائے نمایاں متعلقہ رفاہِ عام، انتظام ملکی اور حقوق العباد کا ذکر کرتا ہے۔ فیروز شاہ کا انتقال ۱۳ر رمضان ۷۹۱ھ میں ہوا۔ اور "وفاتِ فیروز" سے سن وفات نکلتا ہے۔ اسے حوضِ خاص سلطان علاؤالدین خلجی کے کنارے دہلی میں دفن کیا گیا۔

نظام الدین احمد نے مسودہ فتوحات کو دیکھا ہے اور اس کی بعض خصوصیات کو اپنی طبقات اکبری میں درج کیا ہے۔[1] جسے فرشتہ نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ تاکہ اس فرشتہ صفت بادشاہ کا عوام کو علم ہو۔ اس کے متن کو فیروز آباد کی مسجد جامع کے مثمن گنبد کے ہر پہلو پر آٹھ ابواب میں پتھر پر کندہ کیا گیا۔

۱؎ طبقات ۲۳۹/۱

فتوحات کا خلاصہ یہ ہے :- اوقافِ مساجد اور ہدایات مصرف مساجد کا ذکر ملتا ہے، فیروز شاہ کہتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں خونریزی مثلاً - ہاتھ پاؤں ۔ کان ناک کاٹنا، آنکھ کا نکال لینا۔ ہنڈیوں میں میخ لگاتا۔ اعضا کا جلانا۔ ہاتھ پاؤں اور سینے پر میخ گاڑنا کھال کا اتارنا آدمی کو دو پارہ کرنا وغیرہ وغیرہ کو توفیق الٰہی سے منسوخ کیا۔ سلاطینِ ماضیہ کی کوششوں سے ہندوستان دار السلام ہو گیا تھا۔ ان کے ناموں کو از سر نو خطبے میں داخل کیا۔ تاکہ تقریب فاتحہ سے ان کی مغفرت ہوتی رہے وہ لوگ جو نامعقول وجوہات اور کثرتِ ظلم سے تحصیل مال واجب کر کے ہر سال چرائی، گل فروشی نیلگری۔ ماہی فروشی۔ ندافی۔ ریسماں فروشی۔ نخود بریاں گری۔ نکاحی۔ قمار خانہ۔ دادبیگی۔ کوتوالی اور احتساب سے حاصل کرتے تھے ان تمام کو برطرف کیا۔ اور خلافِ سنت پیغمبر مال کا لینا موقوف کیا۔ اس سے پیشتر مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ سپاہیوں کو دیا جاتا تھا اور چار حصے دیوان میں آتے تھے مگر میں نے مطابق شریعت پانچواں حصہ دیوان کا مقرر کیا۔ بدمذہبوں، ملحدوں اہلِ بدعات جو بسبب گمراہی تھے سب کو اپنی سلطنت سے نکال دیا۔ ان کی رسوم عادات اور کتب کو محو کر دیا۔ ریشمی کپڑا زیبِ تن کرنا اور سونا چاندی جو مردوں کی عادات ہو گئی تھیں سب کو موقوف کیا۔ ان کو شریعت کے مطابق احکام دیئے مسلم اور کافر عورتیں مزارات اور بت خانوں میں جاکر باعثِ فساد ہوتی تھیں۔ ان کو منع کیا۔ بت خانوں کے بجائے مساجد تعمیر کیں دیگر بقاع خیر جو سلاطینِ ماضیہ کے تھے یعنی مساجد خانقاہیں مدرسے۔ کنوئیں پُل، حوض مقبرے جو گر سے پڑے تھے ان کی مرمت کی ان کے لئے اوقاف مقرر کئے۔ میرے آقا سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم کے ورثا اور انکی اولاد جن کے اعضا کو بوجہ سیاست قطع کیا گیا تھا میں نے ان کو انعام و وظیفوں سے خوشدل کیا اور سلطان کی ذمہ داری کو

پیش کرنے کے لئے ان سے خط حاصل کرکے اکابر و اشراف کی مہر لگا کر سلطان محمد کے مقبرہ میں رکھا۔ مجھے جہاں بھی کسی گوشہ نشین یا فقیر کی خبر ملی اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے مراعات کیں۔ سپاہیوں اور امیروں کو جو بوڑھے ہو چکے تھے ان کو وعظ و نصیحت کرکے ان کا وظیفہ مقرر کیا اور ان کو کارِ آخرت میں مشغول کیا۔

سلطان فیروز کی تعمیرات اور رفاہِ خیر کی مختصر سی تفصیل یہ ہے:۔ اس نے انہار کے بند پچاس۔ مساجد چالیس۔ مدرسے تیس۔ خانقاہیں بیس۔ کوشک ایک سو۔ رباط دو سو۔ شہر ایک سو۔ حوض پانچ۔ دار الشفا دس۔ مقبرے ایک سو پچاس۔ حمام تین۔ منارے ایک سو پچاس۔ پل ایک سو اور بے شمار باغات تعمیر کئے۔ ہر ایک عمارت کے لئے وقف نامے لکھ کر رقم وقف کی اور تمام مساجد۔ مدارس۔ خوانق۔ حمام چاہ کے لئے خدمتگار مقرر کرکے ان کا وظیفہ مقرر کیا جس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ فیروز شاہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مجھے دو مرتبہ زہر دیا گیا جسے میں نے دیدہ و دانستہ نوش کیا۔ مگر مجھے کوئی مضرت نہ پہنچی۔

دو امور مزید وضاحت کے محتاج ہیں مثلاً دہلی میں سلطان معز الدین سام کے مقبرے کی مرمت اور سلطان محمد شاہ تغلق کی قبر کا ذکر۔ چنانچہ سلطان معز الدین غزنین جاتے ہوئے قصبہ دمیک میں ایک فدائی ملاحدہ کے ہاتھوں شہید ہوا۔[۱] اور غزنی میں لیجا کر دفن کیا گیا۔ کسی اور تاریخ سے یہ نہیں ملتا کہ اس کو دہلی لا کر دفن کیا گیا۔ اور اس کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ مزید کے کتبات سے دو قابل ذکر ہیں جو سہوان میں لعل شہباز قلندر کے مقبرے کے پیچھے قبرستان میں ایک دیوار میں ہیں۔ اول ایک کتبے سے ظاہر ہے کہ سلطان محمد شاہ کا انتقال ۱۲ محرم ۷۵۲ھ میں ہوا۔ اور دوسرے سے واضح ہے کہ سلطان فیروز کے حکم سے ۷۵۳ھ میں اس پر گنبد تعمیر ہوا۔ مگر تاریخ مبارک شاہی ص ۱۱۹ سے یہ بھی ملتا ہے کہ سلطان فیروز خود

۱؎ طبقات ناصری ترجمہ صفحہ ۴۸۵۔ ۲؎ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۵ء۔

سلطان مرحوم کے تابوت کو ہاتھی پر رکھ کر اور اس پر چتر لگا کر دہلی کی طرف روانہ ہؤا۔ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ نعش کو اوّل امانتاً ٹھٹھہ میں دفن کیا گیا اور اس پر بعد میں گنبد بھی تعمیر ہؤا۔ مگر اس کے لئے زمان یہی تھا کہ اس کو دہلی پہنچا دیا جائے۔ ابتدائی زمانے سے آج تک سب کا گمان یہی رہا ہے کہ سلطان محمد کی قبر دہلی میں ہے۔ تاریخ میں ایسی شہادتیں ہیں کہ اوّل نعش کو امانتاً جائے وفات پر دفن کیا گیا۔ اور بعد میں دوسرے مقام پر مقبرہ وغیرہ کا انتظام کر کے نعش کو منتقل کیا گیا۔ جیسا کہ ممتاز محل اورنگ زیب اور امیر تیمور وغیرہ کی مثالیں ہیں۔

اتفاق سے فتوحات فیروز شاہی کا مطبوعہ نسخہ مجھے میرے کرمفرما جناب قریشی محمد نذیر صاحب محکمہ آثار قدیمہ کے کتب خانے سے دستیاب ہؤا۔ جو ۱۳۰۳ھ میں مطبع رضوی دہلی میں باہتمام سید میر حسن طبع ہؤا تھا۔

میرے خیال میں سب سے اوّل ۱۸۵۴ء میں اس مسودے سے دہلی کی آرچیالوجیکل سوسائٹی کے رسالے میں استفادہ کیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر ایڈورڈ ٹامس نے اس کا استعمال کیا۔ اور بقول ڈاسن یہ ایلیٹ کو بھی دستیاب نہیں ہؤا۔ اگرچہ برٹش میوزیم کا مخطوطہ ریو ص ۹۳ برائے ایلیٹ ایک اور مخطوطہ مورخہ ۱۱۳۹ھ کی نقل ہے جو معلوم ہوتا ہے مسٹر ٹامس کے مخطوطہ کی نقل ہے۔ ڈاسن نے فتوحات کا ترجمہ بھی ص ۳۷۴-۳۸۰/۳ دیا ہے۔ غرضیکہ یہ شائع شدہ متن کا صحیح استعمال اس ترجمے کی موجودگی میں آسانی سے ہو سکتا ہے اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر شائع کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی غلطی یا سہو قارئین کرام کے مطالعہ میں آئے تو درگذر فرما کر راقم کو بھی مطلع کریں۔ باعث تشکر ہو گا۔

محمد عبد اللہ چغتائی

پونہ ۱۵ راگست ۱۹۴۱ء

(هُوَ السُّلطان)

فتوحاتِ فیروز شاهی

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد بی حد و شکر بی عدد مر خالق غفور و شکور را که من بیچاره مسکین فیروز ابن رجب غلام محمد شاه بن تغلق شاه را باحیائے سنن سنیه و قلع بدعات و دفع منکرات و منع محرمات و تحریص بر ادائے فرایض و واجبات توفیق رفیق بخشید، و صلوٰة بے شمار بر سیّد کائنات که برائے دفع رسوم و عادات مبعوث شد بعثت لدفع الرسوم والعادات صلی الله تعالیٰ علیه و آله و اصحابه وسلم و بر آل و اصحابِ او که بسعی جمیل ایشاں مراسمِ جاهلیت مرتفع شد رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین۔

اما بعد، چوں اظهارِ شکر نعمتے که از معطی حقیقی عطا شده باشد از واجبات است که والتحدث بالنعم شکر و سید ولد آدم صلوات الله علیه بتحدث نعمت مامور شده واما بنعمة ربک فحدث۔ بنده مسکین مستکیں را ایزد عطا کرده است خواستم تا بذکر بعضے عطایائے ربانی شکر آنچه بمن بخشیده است بقدر طاقت بشری ادا نمائم تا مگر در سلکِ بندگانِ شاکرِ نعمت مندخل باشم۔ ازاں عطایائے خالق رازق جل جلاله و عم نواله یکے آنست که بدعتها و منکراتِ شرع در ممالک هندوستان شایع شده بود و مردم را عادت و طبیعت

گشته، و از سنن سنیه انحراف نموده بودند۔ حق تعالیٰ توفیق رفیق این بندهٔ بیچارهٔ خویش گردانیده منع بدعات و دفعِ منکرات و قلع محرمات بر خود واجب دید۔ و سعیِ جمیل نمود۔ تا بعون و نصرتِ حق مرسوم باطله و معتادِ خلاف شرع بکلی مندفع گشت و حق از باطل جدا گشت۔

اول آنست که در عهود ماضیه بسے خونِ مسلمانان ریخته شدے و انواعِ تعذیب از بریدن دست و پا و گوش و بینی و کشیدن چشم و ریختن ارزیز گداخته در حلقِ خلق و شکستن استخوانهائے دست و پا و سینه و کشیدنِ پوست، و استخوانهائے دست و پا میخکوب و سوختن اندام بآتش و زدن میخها بر دست و پا و سینه و کشیدن پوست و زدن و آرها با میخهائے آهنین و بریدن پے و دو نیم کردن آدمی باره و بسیار انواع مُثله کردن واقع می شد۔ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین این بندهٔ امیدوار کرم خود را بر دل متمکن گردانیده۔ تا همتِ والانهمت بر آن مصروف داشت که خونِ مسلمانے بناحق ریخته نشود و هیچ نوع تعذیب نباشد و هیچ آدمی را مثله نکنند، بیت

چگونه شکر این نعمت گزارم | که زورِ مردم آزاری ندارم

این همه که می کردند بدانکه رعب در خاطر مردم بیم افتد و خوف در دلها غالب گردد و امور سلطنت منتظم ماند و این سخن را مثل ساخته بودند۔ بیت

ملک را برقرار مے خواهی | تیغ را برقرار خواهی داشت

از فضلِ الهی که در حقِ من مسکین است آن تشدیدات و تخویفات برفق و کرم و احسان بدل شد و خوف و رجا بدلِ خاص و عام زیادت بر آن جا گرفت

و هیچ احتیاج بقتل و ضرب و ایلام و تعذیب و تشدید نماند، و این سعادت جز بفضل و عنایات پروردگار میسر نشود. نظم

کرم کن چو دستِ تو بالاتر است
که بخشایش از خشم والاتر است
ترا چون ز باری بزرگی عطاست
بتعجیل رسمِ سیاست خطاست
گر اول توقف کنی در قصاص
توان گشت او را که بدهی خلاص
ولیکن چو قالب پراگنده گشت
نیارد بفرمانِ تو زنده گشت
نگه کن گهے مادرِ مهر سنج
بر آن طفلِ خود چند برداشت رنج
که مرد کشتن صد اندر نبرد
یکے زنده کن تات خوانند مرد
چو بر خود نداری روا نشترے
مکش تیغ بر گردنِ دیگرے
مکوش اندران کز تنے خون رود
که جان باز ناید چو بیرون رود
بخون ریزِ خلقے مشو فتنه دوست

ترا نیز خونے است آخر بپوست
ہزار آفرین بر چنان رہنمون
کہ پیشِ بزرگان نکو شد بخون
ز دولاب چرخ آن کسان است آب
کہ ایشان نیارند در خون شتاب
چو دشمن زبون کرد احسان کند
بقدرت جوانمردیِ جان کند

از عونِ الٰہی دل برین قرار گرفت کہ خونِ مسلم را و عرضِ مومن را امانے کلّی باشد۔ و ہر کہ از راہِ شرع برگردد بر حکم کتاب و اقضائے قاضی بچیزے کہ مستحق آن است برسد۔ للہ الحمد علیٰ توفیقہ

دیگر از فضل و کرم حق جل و علا در حقِ من آن است کہ ذکر القاب سلاطینِ ماضیہ کہ از خُطب جمعہ و اعیاد دور شدہ بود۔ و از نامہائے آن پادشاہانِ اسلام کہ بیمن ہمت و برکت نہمت ایشان بلاد کفار فتح شد بہر دیارے مرتفع و مطرز گشت و معابد و اصنام خرابی پذیرفت و مساجد و مقابر مرتفع گشت، و اعلائے کلمۂ طیبہ شد، و اہل اسلام قوی و حربیان ذمی گشتند نسیاً منسیاً گشتہ بود۔ گفتم کہ برسم معہود چنانچہ بود القاب و اوصاف ہمہ در خطبہ بخوانند و ایشان را بمغفرت یاد آرند۔ بیت

چو خواہی کہ نامت بود جاودان
مکن نامِ نیکِ بزرگان نہان

دیگر از ایادی ہائے عزّ اسمہ آن است کہ عهود ماضیہ وجوہات باطلۂ نا مشروع و حرام در بیت المال جمع می کردند چناں کہ منڈوی بزرگ و والمت بازارہا و امیری طرب و گل فروشی و جزیہ تنبول و چنگی غلہ و نیلگری و ماہی فروشی و ندافی و صابون گری و ریسماں فروشی و روغن گری و نخود بریاں و تہ بازاری و چھپتہ و قمارخانہ و داوبیگی و کوتوالی و قصابی و کوزہ خشت پزی و چرائی و مصادرات ایں جملہ را از دفاتر و دیوان گفتم دور کنند و عمال ولایت ہر کہ ایں وجوہات را از خلق می ستانند و جمع آرد بہ جزء و سزائے آں برسد۔ بیت

دلِ دوستاں جمع بہتر کہ گنج
خزینہ تہی بہ کہ مردم برنج

مالے کہ از بیت المال جمع آید ہماں وجوہات کہ در شرعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است و کتب دینیہ بر آں ناطق ست یکے خراجِ اراضی عشور و زکوٰۃ و دیگر جزیۂ ہنود و دیگر ترکات و دیگر خمس غنائم و معادن و بروجہے کہ جمع کردن آں بحکم کتاب درست نباشد بہیچ وجہ در بیت المال جمع نکنند۔

دیگر آن است کہ پیش ازیں رسم و عادات بافتہائے بدعت چنیں شدہ بود کہ از غنائم چہار خمس بدیوان جمع می کردند و خمس بہ غانماں می دادند۔ و حکمِ شرع این ست کہ خمس در بیت المال جمع کنند و چہار خمس بغانماں قسمت کنند و بدہند۔ در حکم این عکسِ تمام راہ یافتہ بود۔ چوں حکم بر قسمت شرع شود ایں غنائم را ہر کہ تصرف کند مرتکب حرام شدہ باشد۔ ہر بردہ کہ ازو فرزند زاید ولد الزنا باشد، برائے دفع ایں گفتم کہ خمس در بیت المال جمع کنند و چہار خمس

بغانماں دہند۔

دیگر شیعی مذہباں کہ ایشاں را روافض می گویند بسبب رفض و شیعہ مردماں را دعوت می کردند و رسالہا و کتابہا دریں مذہب پرداختہ و تعلیم و تدریس پیشہ ساختہ بودند و جناب خلفاے راشدین و ام المومنین عائشہ صدیقہ و جمیع صوفیہ کبار رضی اللہ عنہم را سبِّ صریح و شتمِ قبیح می گفتند و لواطت می کردند و قرآن مجید را ملحقات عثمانی می خواندند ہمہ را گرفتم و بر ایشاں ضلال و اضلال ثابت شد، غالیاں را سیاست فرمودیم و دیگراں را بہ تعزیر و تہدید تشہیر زجر کردیم و کتب ایشاں را در ملا سوختیم تا شرِ آں طائفہ بعنایت ربانی بکلی مندفع شد۔

دیگر طائفہ ملحداں و اباحتیاں جمع شدہ بودند و خلق را بالحاد و اباحت دعوت می کردند و در شبے بمقامے معین جمع می شدند از مرداں محرم و غیر محرم و طعام و شراب درمیاں می آوردند و می گفتند ایں عبادت است و صورتے ساختہ مردماں را دریں فعل می آوردند کہ پیش آں صورت سجدہ بکنند و زناں و مادراں و خواہرانِ یکدیگر کہ دراں شب جمع می آوردند جامہ ہر کہ بر دستِ کسے از ایشاں افتادے با او زنا کردے پیرانِ ایشاں شیعہ بودند سرہا بریدیم و دیگراں را حبس و جلا و تعزیرے فرمودیم تا شرِ ایشاں از حوزۂ اسلام بکلی مندفع گشت۔

دیگر قومے بلباس دہریہ و ترک و تجرید مردماں را گمراہ می کردند۔ و مرید می ساختند و کلماتِ کفر می گفتند، آں گمراہاں را احمد بہاری نام مرشدے بود در شہر ساکن و طائفہ از بہار او را خدا می گفتند آں جماعت را مقید و مسلسل نزد ما

آوردند که او سبّ نبی می کند و می گوید کسیکه ته حرم بوده چه حلاوت نبوت او باشد و از مریدانِ او یکے می گفت که در دہلی خدا طالع شده است یعنی احمد بہاری چوں ایں معنی برایشاں ثابت شد ہر دو را بقید و زنجیر سیاست فرمودیم و دیگراں را بتوبہ و انابت امر کردیم و یکے را بہر شہرے جلا کردیم تا شرِ آں جمع پریشاں دفع شد

دیگر در شہر دہلی شخصے رکن نام لقبِ مہدی گفتہ که مہدی آخر الزماں منم مرا علم لدنی حاصل شده است و من از پیشِ کسے تعلیم و استفاده نکرده ام و اسمائے جمیع مخلوقات که از آں جز آدم نبی علیہ السلام ہیچ پیغمبرے را علم نبوده است و اسرار علم حروف که بر ہیچکس مکشوف نبوده بر من کشف گردیده و برایں ادّعا کتابہا نوشتہ و خلق را در غوایت و ضلالت اُستدعا نموده و گفتہ که رکن الدین رسول الله منم دریں سخن مشائخ بیش گواہی داده اند که ایں چنیں گفتہ و ما از و شنیده ایم چوں او را پیشِ ما آوردند از حالِ ضلال و اضلال او استفسار کردیم بدیں بدعت و ضلالت منفرد بود. علمائے دین گفتند او کافر شده است و مباح الدم گشتہ. چوں ایں فتنہ و فساد از نفسِ خبیثِ او در اسلام و اہل السنت و الجماعت پیدا گشتہ اگر در دفعِ آں اہمال دہید معاذ الله چناں سرایت کند که بسیار مسلم گمراه شوند و از دین اسلام بگردند و از و فتنہ قائم شود که بسیار مردم بداں سبب ہلاک گردند. تا در جمع علمائے عالم فساد و افساد و اضلال آں خبیث را ندا کنند و بگوشِ خاص و عام برسانند و بفتوائے علمائے دین و ائمہ شریعت مستوجب سیاستے که باشد بنفاذ رسانند. و او را با شخصے که معتقد و مرید و مساہم او بودند بکشتند و خاص و عام خلق در آمده گوشت و پوست و اعضائے او را پاره پاره کردند و شرِ او چناں دفع شد که جہانیاں را موجبِ

انتباہ گشت۔ نصرت وعنایت الٰہی در دفع انواع ایں شرور ودر قلع امثال ایں بدعات حق جل وعلا من بندہ مسکین خویش را سبب گردانید و بر احیاے سنن توفیق داد غرض از ذکر اداے شکر باری جل وعلاست باستماع ومطالعہ ایں محررات ہر کرا اصلاح دین خود مطلوب باشد ایں طریقہ را مسلوک دارد تا مثاب گردد ومابدلالت ایں خیر امیدوار ثواب باشیم۔ الموفق ہو اللہ۔

دیگر شخصے از ملا زادگاں عین ماہرو در عرصۂ گجرات خود را شیخے ساختہ بود وجمعے را مرید گرفتہ کلمۂ انا الحق می گفت ومریداں را می فرمود چوں من انا الحق بگویم شما گوئید توئی توئی ومی گفت انا الملک الذی لایموت ورسالہ نوشتہ کہ در کلمات کفر بود اور ا تہ زنجیر کردہ پیش ما آوردند و بروے ثابت شد اورا نیز سیاست فرمودیم وکتابیکہ ساختہ بود بسوختیم تا از میان موحدان اسلام ایں فساد نیز دفع شد۔

۱۲ دیگر رسم وعادتے کہ در دین اسلام جائز نیست در شہر مسلمانان جبلت شدہ بود کہ عورات در ایام متبرکہ جماعت جماعت پالکی سوار وگردون سوار ودولہ واسپ سوار ودستور سوار فوج فوج پیادہ از شہر بیروں آمدند و بمزارہا می رفتند ولونداں ومردم اوباش کہ بہواے نفس مبتلا اند واز دیانت عاری فتنہ وفساد کہ ازیں حرکت باشد پوشیدہ نیست می کردند وبیروں رفتن عورات شرعاً منہی است۔ فرمود تا ہیچ عورت بمزار نرود ہر کہ رود اورا تعزیر کنند ایں زماں بعنایت حق جل وعلا مجال نیست کہ مخدرات ومستورات مسلمانان بیروں آیند وبزیارتہا روند ایں بدعت نیز منتفی شد۔

دیگر از عطایات سبحانی آنست که هنود مرباک و بت پرست زر ذمه پذیرفته اند و جزیه قبول کرده و خانمان ایشان مصئون مانده بت خانه‌های جدید در شهر و حوالی بنیاد نهاده بودند، در شرع مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم احداثِ بتخانه روا نباشد، بتوفیق جل و علا آن بناهائے فاسدِ ایشان را خراب کردیم و ائمۂ کفر که دیگراں را اضلال می کردند، بکشتیم و عوام ایشاں را بتعزیرات زجر کردیم تا این فساد بکلی افتاد، و از آن‌ها یکے آنست که در موضع ملوه حوضیت که آں را گنبدی می گویند بتخانه‌ها ساخته بودند و جماعتے از هنود با اتباع در روزِ معیّن بمعنادیک دیگر سواران با اسلحه و برگستواں ہائے بسیار زناں و بچگان ایشان پالکی و گردول سوار ہزاراں ہزار جمع می شدند و بت پرستی می کردند۔ درین فساد چناں غلو کرده بودند که اہل بازار انواع و اقسام نعمتها در آنجا می بردند و بازارہا کرده می فروختند۔ طائفۂ مسلمانان بے دین بہوائے نفس در اجتماعِ ایشاں مساہم می شدند، چوں ایں کیفیت بسمعِ ما رسید بتوفیقِ ربانی و تائید سبحانی خود برائے دفعِ ایں فساد که مضرتِ آں در دینِ اسلام سرایت می کرد عزم کردیم و در روزے که ایشاں جمع می شدند آنجا رفتیم و اشخاصیکه پیر ایشاں بودند و اغوا و اضلال می کردند فرمودیم تا آنہا را بکشند و سائرِ ہنود را بتعزیراتِ مولم منع کردیم و بت خانه را خراب کردیم و آنجا مسجد برآوردیم و قصبات معمور گردانیدیم۔ یکے تغلق پور دوم سالار پور نام نهادیم ایں زماں بجائے که کافراں مرباک معبد اصنام ساخته بودند از فضل باری جل و علا مسلمانان معبودِ برحق را سجده می کنند و تکبیر و اذان و جماعت قائم می دارند و آنجا که کفار مسکن ساخته

بودند مسلمانان ساکن و متوطن گشتند بکلمۂ لا اله الا الله محمد رسول الله ذاکر و رطب اللسان می باشند۔ والحمد لله علی الاسلام ۔

دیگر اخبار کردند که در موضع صالح پور بت خانه جدید بعضے از هنود عمارت کرده اند و بت پرستی می کنند آنجا نیز کسان فرستادیم که بت خانه خراب کنند و نیز آن اشخاص را که در گمراهی اصرار نموده بودند دفع کردیم ۔

دیگر آنکه در قصبه گوهانه بعضے از هنود بت خانه جدید ساخته اند۔ و جماعتے از مشرکاں جمع می شدند و بت پرستی می کنند ایشاں را گرفته پیش ما آوردند کسانیکه ایشاں بنیادِ فساد بودند فرمودیم تا از حالِ ضلالِ شاں ندا کنند و پیش در سرائے اعلی بکشتند و کتابهائے کفر و تیال و اسباب بت پرستی که با ایشاں آورده بودند گفتیم تا در نظرِ عامۂ خلق در مقامِ سیاست بسوزانند و دیگراں را بتهدیدات و تعزیرات منع شد تا انتباهِ دیگراں باشد هیچ ذمی در دار اسلام ایں جرأت نتوانند کرد۔

دیگر در عهودِ ماضیه معتاد شده بود اوانی زر و نقره بوقت خرج مائده استعمال می کردند و بندهائے تیغ و حلیۂ ترکش از زر مرصع می ساختند آنرا منع کرده حلیۂ صلاحِ خود از استخوانهائے شکاری ساختیم و باستعمالِ اوانی که در شرع مباح است اعتضاد کردیم ۔

دیگر در ایام سابقه رسم و عادات بریں بود که جامهائے مصور می کردند و بهر وجه تشریف از درگاه سلاطین مردم را می پوشانیدند و هم چنیں بر لگام و زین و قلاده مرکب و مجمرهائے عود و در طاس و قدح و کوزه و طشت و آفتابه و

در خیمه‌ها و پرده‌ها و تخت و کرسی و سائر آلات و ادوات صورت می نگاشتند و تمثال می داشتند بهدایت ربّانی و عنایت سبحانی گفتیم جمله صورت و تمثال از جمیع این چیزها دور کنند و آنچه محظور شرع نیست و جائز و مباح است بسازند صورت و تماثیل که از در و دیوار و قصور تصویر می کردند فرمودیم تا جمله را محو کنند۔

دیگر پیش ازین اکثر لباس بزرگان از ابریشم و زردوزیهائے مغرق و نامشروع بود حق سبحانه و تعالیٰ توفیق داد تا ملبوسات همچنان شد که در شرع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مباح ست و علم هائے زردوزی و کلاه و زربفت که عرض آں بقدر چهار اصابع زیادت نباشد اختیار افتاد و آنچه نامشروع و ناجائز و منکر و منهی شرع بود دور کرده شد۔ والحمد للہ علی الاسلام۔

و بعضے از مواهب الٰهی که این بندهٔ بیچاره را عطا کرد برتشیید مبانی خیرات توفیق داد بسے مساجد و مدارس و خوانق بنا کردیم تا علما و مشائخ و زهاد و عباد در آں مقام ها معبود بحق را عبادت کنند و بانی خیر را بدعا مدد نمایند و حفر انهار و غرس اشجار و وقف اراضی بر نهج شرع متفق و مجمع علیه است و در ملت اسلام علمائے شریعت را درو اجماع است و درو شکے و شبهه نه، او را به تعیّن سهام مصارف معیّن گردانید تا همیشه حاصل آں به بندگانِ خدا رسد ذکر آں مشروحاً در وقف نامه مذکور است۔

دیگر از مواهب الٰهی یکے آنست که عمارات و بناهائے گذشتگان سلاطین ماتقدم و امرائے ماضیه که بمرور ایام و کرور اعوام خلل پذیرفته بود بحرمت و عمارت مجدد و بنا بستیم و استحکام آں را بر عمارت خود مقدم داشتیم چنانچه مسجد جامع دہلی قدیم

که بنائے سلطان سام است از جهت قدم بنا که محتاج مرمت و تعمیر شده بود چنان مرمت کرده شد که تبازگی استحکام بگرفت، و مقبرهٔ سلطان معز الدین سام را که دیوار غربی و تخته هاے او کهنه و فرسوده شده بود هم نو کرده آمد و بجائے جوسنه درها و طاقها و زینها از چوب صندل ساخته و منارهٔ سلطان معز الدین سام را که از حادثهٔ برق افتاده بود بهتر از آنکه بود از ارتفاع قدیمی بلند تر مرمت کرده شد و حوض شمسی که درآمدهاے آب را مردمان بے دیانت از یالا بسته بودند - و درآمد آب منقطع شده بود آن متخاسران تا حفاظ را بتعزیرات زجر کردیم. و درآمدهاے آب بسته بکشادیم، و حوض علائی انباشته و بے آب شده بود و خلق شهر درون حوض زراعت می کردند و چاه ها کافته بودند و آب از آن چاه ها می فروختند بعد قرن خفر کردیم تا عذر عظیم از سال تا سال دیگر پر می شود همچنین مدرسه سلطان الدنیا والدین التتمش رضی الله عنه را محلهاے که انهدام پذیرفته بود عمارت کرده درها از چوب صندل نهادیم و ستونهاے مقبره که افتاده بود باز بهتر از آنکه بود راست کردیم و صحن مقبره را وقت بنا گچ نه کرده بودند آن را گچ کرده شد، در گنبد نردبان از سنگ تراشیده زیاده کرده شد، و در چهار برج پشتی بان ریخته بر آورده شد، مقبرهٔ سلطان معز الدین پسر سلطان شمس الدین که هم در ملک پورست خیال مندرس شده بود که گورها پیدا نه بود آن جا گنبد و چبوتره و فواره ریخته عمارت نو کرده شد. و مقبرهٔ سلطان رکن الدین پسر سلطان شمس الدین که در ملک پورست خوط مرتب کرده گنبد جدید بر آورده و خانقاه عمارت کرده شد و مقبرهٔ سلطان جلال الدین خلجی را مرتب کرده دروازه

جدید عمارت کرده شد، و مقبرهٔ سلطان علاؤالدین خلجی را مرتب کرده از چوبِ
صندل درہا بنا نهاده و دیوار آبدارخانه و دیوار غربی مسجدے که درونِ مدرسه
است و فرش تا نشیب مرتب کرده شد، و مقبرهٔ سلطان قطب الدین خلجی و
فرزندانِ علاؤالدین خلجی و خضر خاں و شادی خاں و فرید خاں و سلطان شہاب
الدین خلجی و سکندر خاں و محمد خاں و عثمان خاں و نبیرگاں و فرزندانِ نبیرگانِ
او را مقابر از سرِ نو مرمت کرده شد و درہائے گنبد جعفریہائے مقبرهٔ سلطان
المشائخ حضرت نظام الحق والدین محبوب الٰہی قدس سره العزیز ہم از صندل
ساخته و قندیلہائے زریں با زنجیرہائے زر در چہار زاویهٔ کنج گنبد آویخته
و جماعت خانه جدید بنا کرده که آں چناں پیش ازیں آں جا نبوده، و مقبرهٔ
ملک سلطان الملک کافوری که وزیر بزرگ سلطان علاؤالدین خلجی بود۔ و
عقل و کیاست وافر داشت و بسیار ملک او گرفته بود که در آنجا پائے
اسپانِ پادشاہانِ ماضیه نرفته بود و خطبه سلطان علاالدین اظہار کرده بود
و پنجاه و دو ہزار سوار داشت مزار او بزمین برابر شده بود، و مقبره پست گشته
از سرِ نو مقبره مرمت کنانیده شد که او دولت خواه و خلال خور بود دارالامان که
مضجع و مرقد مخدومان است درہا از چوبِ صندل ساخته و بر قبورِ آں خداوندگا
را پرده ہائے درخانهٔ کعبه سائبان افراخته مصالح ایں مرمت و عمارات ایں
مقابر و مدارس از اوقافِ قدیم ایشاں مستقیم داشته شد و در جائے که پیش
ازیں وجه معین نبود برائے صادر و وارد فرش و روشنائی و اسباب که در خورِ
آں مقام باشد و دیہائے معین کرده شد که محصول مدام آں جا خرج شود۔ و

ہمچنیں جہاں پناہ کہ بنائے سلطان محمد شاہ مغفور مرحوم است کہ خداوند ولی نعمت ما بود من بحضور پرورده و برآوردهٔ اویم معمور داشتہ شد، و ہمچنیں مجموع حصارہا کہ بنا کردۂ سلاطینِ ماضیہ کہ در مملکت دہلی است جملہ را مرمت کردہ شد۔

دیگر در مدارس و مقابر و مزار ہائے سلاطینِ ماضیہ کامگار و مشائخ کبار برائے صادر و وارد و اسباب کہ دراں مقامہائے متبرکہ در کار بود و دیہا و زمین ہا و اوقافِ قدیم ایشاں مستمر و جاری داشتیم و زیادت آنکہ جائے کہ وجہے از اوقاف و جز آں معین نبود معین کردیم تا علی الدوام دراں محل خیر قائم باشد۔ و آئندہ و روندہ و اربابِ علوم و اصحابِ معارف بیاسائند و ایشاں ما را بدعائے خیر یاد کنند۔

دیگر حق تعالیٰ میسر گردانید کہ دار الشفا بنا کردیم تا از خاص و عام ہر کرا مرضی طاری می شود و برنجے مبتلا گردد آں جا بیاید اطبا حاضر می باشند تا تشخیصِ مرض کنند و علاج و پرہیز فرمائند و دوائے آں بدہند و وجہ دوا و غذا از سہام اوقافہا بدہند۔ جمہور مریضاں از مقیم و مسافر و وضیع و شریف و احرار و عبید آں جا می آئند و معالجہ ایشاں می شود و از فضل و کرمِ حق شفا می یابند۔

دیگر از حضرت ذوالجلال و قادر بکمال ایں بندۂ عاصی توفیق یافت کہ اشخاصیکہ در عہدِ خدایگانِ مغفور مرحوم محمد شاہ السلطان طاب ثراہ کہ خدا و خداوندگار و مخدوم و مربی من بود بتقدیر اللہ تعالیٰ کشتہ شدہ بودند و کسانیکہ اعضائے ایشاں از چشم و بینی و دست و پا ناقص گشتہ ورثہ ایشاں را از

قتلِ بادشاہ مغفور مرحوم استرضا نمودہ ہر یکے را باموال راضی گردانیدہ خطوطِ خوشنودی موکد بشہود و سند و در صندوق کردہ بدار الامان مقبرہ سلطان مغفور مرحوم نور اللہ مرقدہٗ جانب سر وا ہشتہ تا حق تعالیٰ بکرمِ عمیم خویش آن مخدوم و مربی ما را غریق رحمت گرداند و ایشان را از آن ولی نعمت ما از خزاینِ خویش خوش کناد۔

دیگر از عطائے الٰہی آنست کہ دیہا و زمین ہائے املاک قدیم بوجوہ در عہودِ ماضیہ سلب شدہ بود و در دیوان از تصرف و املاک بیرون رفتہ گفتیم تا ہر کہ حجت ملک دارد و در دیوانِ شرعی بیارد و بعد ثبوت دیہے و زمینے کہ بتصرف در آوردہ و جز آن ہر چہ مملوک باشد متصرف شود بحمد اللہ و توفیقہ بدین فضیلت موفق شدیم و حقوق بمستحقین رسید۔

دیگر ترغیب اہل ذمہ بسوئے دینِ ہدیٰ توفیق یافتیم و باعلام گفتیم ہر کہ از کفار کلمۂ توحید گوید و دین اسلام بپذیرد و چنانکہ در دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آمدہ است جزیہ از و دور کنند۔ حیثیتِ آن بگوشِ عالم رسید فوج فوج و جماعت جماعت ہنود آمدند و بشرف اسلام مشرف شدند۔ و ہمچنیں الی یومنا ہذا از اطراف می آئند و ایمان می آرند و جزیہ ایشان دور می شود و بانعامات و تشریفات مخصوص می گردند۔ الحمد للہ رب العلمین۔

دیگر از مواہب الٰہی آن است کہ عرض و مالِ بندگان خدائے تعالیٰ در عہد دولت ما در امن و امان محروس و مصئون می باشند و روا نمی دارم کہ قلیل و کثیر و نقیر و قطمیر از ملک ہیچ کسے کشیدہ شود بسیار مردم مغوی سعادت

نمودند که فلان ناحیه چندین ملک فلان عامل چندین ملک اردساعیان را بتعزیرات و سیاسیات زبان کوتاه کردیم تا از شرّ این طائفه خلق ایمن گشت هر آئینه بدین شفقت همگنان مخلص و دوستدار باشند۔

قطعه :-

نام نیکو طلب که گنجِ صفا
بهتر از گنج خواسته صد بار
یک ثنا به که چند خرمن گنج
یک دعا به که مال صد خروار

دیگر۔ بعنایتِ حق تواضع فقرا و مساکین و استمالتِ قلوبِ ایشان در دلِ ما تمکن یافت تا هر جا که فقیرے و گوشه نشینے یافتیم برائے ملاقاتِ او قدم زدیم و بدعا استمداد نمودیم تا فضیلتِ نعم الامیر بباب الفقیر اکتساب کرده شود۔

دیگر۔ هر که از اهل دولت عمرِ طبعی بکمال رسید و معمر گشت بعد ترتیب وجه معاشِ او اجازت دادیم تا در استعدادِ آخرت مشغول گردد و از منکراتِ شرع و دین که در جوانی ارتکاب نموده باشد تائب گردد و از دنیا اعراض کند و به امورِ آخرت روئے آرد۔ رباعی

چون پیر شدی کارِ جوان نتوان کرد
پیری ست نه کافری نهان نتوان کرد
در ظلمتِ شب هر آنچه کردی کردی
در روشنئ روز همان نتوان کرد

دیگر - بر قضیهٔ آن که - قطعه

طریق و رسم صاحب دولت آنست
که بنوازند مردانِ نکو را
دگر چون عمرِ آنکس منقضی شد
نکو دارند فرزندانِ او را

از اصحابِ شغل کسانیکه جاہے و مرتبه داشتند چون بتقدیر الله تعالیٰ از دارِ غرور بسرائے سرور شدند آن شغل و جاه بفرزندانِ شان مقرر داشتیم بنوعی که از پدران در منزلت و نعمت شایان باشند و دران مرتبه نقصان راه نیابد قطعه:-

رسم و آئینِ بادشاهان است
که خردمند را عزیز کنند
وز پسِ عهدِ او وفاداری
با خردمند زاده نیز کنند

دیگر - بزرگترین و بهترین دولت که واهب الملک جل جلاله و عم نواله این بنده را بخشید آن ست که با طاعت و اخلاص و دولت خواهی و امتثالِ امر حضرت خلافت پناهی ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم که صحت سلطنت بدان ثابت است و درست نباشد تا خود را بخادمیِ حضرت منسوب نگرداند و اذن ازان درگاهِ مقدسه نیابد توفیق داد تا اعتقاد بدین رسوخ یافت و از حضرتِ مقدسه دار الخلافه مناشیر باذنِ مطلق و نیابت خلافت

صادر شد۔ و از حضرت علیائے امیر المومنین در منشور مبایعت بہ تشریف خطاب سیّد السلاطین مشرف گشت و بتواتر تشریفات و نوازش بخلعت ہائے درگاہ خلافت از طیلسان و علم و خاتم و سیف و موطی بر جہانیاں مفاخرت و مباہات حاصل آمد۔ این سریرت آں بود کہ بذکر ایں مواہب کہ کردہ شد از ہزار یکے و از بسیار اندکے شکرِ منعم بحقیقت گزاردہ شود۔

دیگر۔ آں کسانیکہ طالبِ خیر و سعادت باشند ایں را کہ بخوانند بدانند کہ ایں طریق مستحسن ست و مروت مقتضی این ست کہ باتباعِ آں توفیق یابند۔ ایشاں بعملِ خود مثاب گردند و ما بدلالتِ خیر ماجور۔ الدال علی الخیر کفاعلہٖ۔

تمام شد

اُردو ترجمہ

فتوحات فیروز شاہی

مع حواشی

از

احمد الدین مارہروی

کتاب خانہ نورس کبیر سٹریٹ لاہور

سنہ ۱۹۵۲ء

ھوالسلطان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اس اردو ترجمہ کے حاشیہ پر فارسی متن کے صفحات
کے حوالے دیئے گئے ہیں تاکہ مطالعہ میں سہولت ہو)

خدائے تعالیٰ کی (جو تمام عالم کا پیدا کرنے والا، بخشنے والا اور لائق شکر ہے) بے انتہا تعریف و توصیف کرنا اور بے انتہا شکر ادا کرنا لازم ہے، کہ اس نے مجھ عاجز و ناتوان فیروز بن رجب کو، جو محمد شاہ بن تغلق شاہ کا ادنیٰ خادم[1] ہوں اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ سنّتِ نبوی کو ازسرِ نو رائج کر کے بدعتوں[2]، ناجائز کاموں، اور بُری باتوں سے لوگوں کو روکوں اور فرائض[3] و واجبات پر عمل پیرا ہونے کی طرف مائل کروں۔ اور بیشمار درود رہنمائے عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رسم و رواج کی بیخ کنی کے واسطے اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور ان کے آل و اصحاب پر، جن کی قابل تعریف مساعی سے زمانہ جاہلیت[4] کی رسوم کا قلع قمع ہوا (خدا ان سب سے

[1] فیروز شاہ تغلق، محمد شاہ تغلق کا چچا زاد بھائی تھا، اپنے آپ کو اس کا خادم لکھنے سے مراد اظہار احسانمندی اور خاکساری ہے جو اس زمانہ کا دستور تھا۔ آئندہ بھی اس قسم کے فقرات اکثر ملیں گے۔ [2] وہ رسوم و طریقے، جو آں حضرت صلعم کے بعد مذہب کا جزو بن گئے ہیں، ان کو علماء نے بدعاتِ حسنہ اور بدعاتِ قبیحہ میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی اچھی رسوم اور بری رسوم [3] فرائض وہ احکام ہیں جن کا قرآن شریف میں صاف و صریح حکم ہے اور واجبات وہ احکام ہیں جن کا ضمنی حکم ہے [4] آں حضرت صلعم کی بعثت سے قبل کا زمانہ عرب کی تاریخ میں زمانہ جاہلیت کہلاتا ہے۔

راضی ہوا)۔

اس کے بعد چونکہ خدائے تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ضروری ہے جو اس حقیقی عطا کرنے والے کی طرف سے ملی ہیں اور نعمتوں کا بیان کرنا شکر ادا کرنے کے مصداق ہے، نیز یہ کہ بنی نوع انسان کے رہنما آں حضرت صلعم (ان پر درود ہو) بھی خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے واسطے ہی بھیجے گئے تھے۔ بموجب آیت قرآنی "پس اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کیجیے"[1]۔ چونکہ خدائے تعالیٰ نے اس بندۂ عاجز و ذلیل کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس لئے میری خواہش تھی کہ ان میں سے بعض کا ذکر انسانی قدرت کے بموجب کروں تاکہ میرا شمار بھی خدا کے شکر گذار بندوں میں ہو سکے۔

اس خدائے خالق و رزاق (جس کی شان اعلیٰ و ارفع اور نعمتیں عام ہیں) کی عنایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان کی سلطنت میں بدعتیں اور خلافِ
۸ شرع رسوم عام ہو گئیں اور لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں اور انہوں نے سنتِ نبوی سے انحراف کرنا شروع کر دیا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے اس ناچیز و ناتواں بندہ کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ اس نے بدعتوں کا دور کرنا اور ناجائز و خلافِ شرع کاموں سے لوگوں کو روکنا اپنا فرض سمجھا اور اس کے واسطے بے انتہا کوشش کی حتیٰ کہ خدا کے فضل و کرم سے جھوٹی رسمیں، اور خلافِ شرع امور بالکل ختم ہو گئے اور حق و باطل میں امتیاز ہو گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں مسلمانوں کا خون ناحق بری طرح

---

[1] سورہ الم نشرح کی آخری آیت کا ترجمہ ہے۔

بہایا جاتا تھا[1]۔ اور ان کو مختلف قسم کی اذیتیں دی جاتی تھیں[2]۔ مثلاً ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنا، آنکھیں نکال لینا لوگوں کے گلے میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنا، ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کو میخوں سے توڑنا۔ بدن کو آگ سے جلانا، ہاتھ، پاؤں اور سینہ میں لوہے کی کیلیں ٹھونکنا[3]۔ کھال کھینچ لینا، لوہے کی میخوں والے دُرّے لگانا، لنگڑا کر دینا آرے سے انسان کو چیر کر دو کر دینا، غرض اسی طرح اعضاء تراشی کے بہت سے طریقے رائج تھے[4]۔ خدائے تعالیٰ نے (جو بے انتہا کریم و رحیم ہے) اپنے اس بندے کے دل میں، جو اس کی مہربانی کا متمنّی ہے، یہ خیال راسخ کر دیا۔ حتیٰ کہ میں نے پوری مستعدی سے اس کا انتظام کیا کہ مسلمانوں کا خون ناحق نہ بہایا جائے۔ لوگوں کو اس طرح کی اذیتیں نہ دی جائیں اور اعضاء تراشی ہرگز نہ ہو۔ شعر

خدائے تعالیٰ کی اس مہربانی کا شکر کس طرح ادا کروں کہ اس نے مجھ کو (فطرتاً) انسان کو تکلیف پہنچانے کی قوت ہی عطا نہیں فرمائی[5]۔

---

[1] قدیم سیاست کا ایک اصول یہ بھی تھا۔ کہ سزا ایسی سخت دی جائے جس سے عوام کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ اس طرح کا جرم کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو سکے۔ چنانچہ بلبن، علاء الدین خلجی، اور محمد تغلق اسی قسم کی سزائیں دیا کرتے تھے [2] علاء الدین خلجی نے ان سزاؤں میں ایک اضافہ کیا تھا۔ کہ دہلی کے دروازہ بدایوں کے سامنے کوئیں کھدوائے تھے اور ان میں لوگوں کو ڈال دیا جاتا تھا۔ کچھ تو اس کے اندر ہی مر جاتے تھے اور جو سخت جان اس میں سے نکل بھی آتے تھے وہ نیم مردہ ہو جاتے تھے۔ اور پھر اس جرم کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔ (برنی تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۵-۸۶)

[3] جس طرح صلیب پر لٹکا کر ہاتھ پاؤں اور سینہ میں میخیں ٹھونکی جاتی تھیں یہ تمام سزائیں مسلمانوں سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھیں [4] تفصیلات کے واسطے دیکھئے برنی ص ۲۸۹ و ص ۲۹۲۔

[5] اس شعر سے فیروز کے کردار کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ وہ فطرتاً اتنا نیک تھا کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ سب کچھ اس مقصد سے کیا جاتا تھا کہ لوگوں کے دلوں پر رعب بیٹھ جائے اور خوف غالب آجائے تاکہ سلطنت کے کاروبار منظم ہو جائیں۔ انہوں نے اس شعر کو دستور العمل بنا لیا تھا ؎

اگر ملک میں اپنی سلطنت کو قائم رکھنا چاہتے ہو تو تلوار کا استعمال برابر جاری رکھو۔

خدا کے فضل سے جو مجھ عاجز کے حق میں ہے یہ تمام سختیاں، اور ان کا خوف مہربانی اور عنایت و احسان میں تبدیل ہو گیا۔ اور خاص و عام کے دلوں میں خوف و ہیبت اتنی زیادہ ہو گئی ہے، کہ اب قتل، زدو کوب، تشدد و سزا دہی کی مطلق ضرورت 9
نہیں رہی۔ اور ایسی سرخروئی کسی شخص کو سوائے خدا کی مہربانی اور عنایت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

نظم

جب تم کو طاقت حاصل ہو تو لوگوں پر مہربانی کرو کیونکہ غصہ کرنے سے معاف کر دینا کہیں زیادہ بہتر ہے۔

جب خدا نے تم کو بڑائی عطا کی ہے تو سزا دینے میں جلدی کرنا غلطی ہے۔

اگر سزائے قتل دینے میں جلدی نہ کی جائے تو جس کو تم نے رہا کر دیا ہے اس کو بعد میں بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) دوسروں کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اگر اس کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہی نیکی یا کمزوری جنگوں میں اس کی ناکامیابی کا باعث ہوتی تھی۔ صـ ۱۱۹ ۔

لیکن جب وہ ایک دفعہ مرگیا (یعنی قتل کا غلط حکم دے دیا) تو پھر تمہارے حکم سے وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔

اس کا خیال رکھو کہ شفیق ماں نے اپنے اس لڑکے کو کس محنت سے پالا ہوگا

یہ مت کہو کہ میں نے جنگ میں سو آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا، بلکہ تمہاری بہادری کی تعریف اس میں ہے کہ ایک کو زندہ کرو [یعنی جان بخشی کرو]

اگر تم اپنے لئے نشتر کا ایک گھاؤ بھی مناسب نہیں جانتے تو دوسرے کی گردن پر تلوار نہ چلاؤ۔

اس کی کوشش نہ کرو کہ دوسرے کے جسم سے خون بہے، کیونکہ مرنے کے بعد جان واپس نہیں آتی۔ لوگوں کا خون بہا کر فتنہ و شر کے ساتھی مت بنو، کیونکہ خود تمہارے جسم میں بھی تو کھال کے نیچے خون بہتا ہے۔

ایسے سردار کی کس قدر تعریف کی جائے[1] جو خون آشامی سے بزرگوں کے درمیان اپنی برتری قائم نہیں کرتا۔

آسمان کی چرخی[2] سے صرف انہی کو پانی ملتا ہے جو خون بہانے میں جلدی نہیں کرتے۔

---

[1] جنگوں میں ناکامیاب ہونے کی وجہ سے لوگ گلی کوچوں میں غالباً فرزند کو بھی اسی طرح مطعون کرتے تھے جس طرح جلال الدین خلجی کے متعلق کہتے تھے کہ اس کو سلطنت کرنا نہیں آتا (دیکھو برنی ص۱۸۱) دوسرے اس شعر میں اس قسم کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

[2] کوئیں سے پانی نکالنے کے واسطے کئی قسم کی چرخیوں کا استعمال ہوتا ہے۔ آسمان کے متعلق بھی چونکہ قدیم خیال بھی تھا کہ وہ ہر وقت گردش میں رہتا ہے نیز چونکہ آسمان ہی سے بارش بھی ہوتی ہے اس لئے شاعرانہ اصطلاح میں اس کو "دولاب یعنی چرخی کہا گیا ہے۔

جو شخص دشمن کو زیر کرنے کے بعد اس پر احسان کرتا ہے اور قدرت ہوتے ہوئے بھی بجائے قتل کرنے کے اس کی جان بخشی کرتا ہے وہی جوانمرد کہلائے جانے کا مستحق ہے۔[1]

خدا کی عنایت سے یہ بات میرے دل نشین ہوگئی کہ مسلمان کا خون اس کے جسم میں محفوظ و سلامت رہے۔ مگر جو شخص راہِ شریعت سے برگشتہ ہو اس کو وہ سزا دی جائے جس کا وہ حکم قاضی کے بموجب مستحق ہو۔ خدا نے جو مجھ کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے اس کا ہزار گونہ شکر ادا کرتا ہوں۔

خدائے بزرگ و برتر کی دوسری مہربانی میرے حق میں یہ ہے کہ سابقہ بادشاہوں کے نام و القاب جو عید اور جمعوں کے خطبوں سے نکال دیئے گئے تھے (حالانکہ) انہی سلاطین اسلام کی ہمت اور سرگرمیوں کے باعث کافروں کے شہر فتح ہوئے، اسلام کے جھنڈے ہر جگہ بلند ہوئے، ہندوؤں کے مندروں کی خرابی واقع ہوئی اور مسجدیں و مقبرے آباد و سربلند ہوگئے۔ کلمہ طیبہ[2] کا غلغلہ بلند ہوا۔ مسلمان کی قوت اور ان سے مقابلہ کرنے والے دشمن

---

[1] مختلف نسخوں میں اس شعر کو مختلف طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ لاہور کے نسخے میں بظاہر پہلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے۔ اس صورت میں فعل کو جمع کے صیغہ میں ہونا چاہیئے۔ لیکن غالباً کاتب کی فروگذاشت سے ردیف میں بجائے 'کنند' کے 'کند' لکھ گیا ہے۔ اپنے مطبوعہ نسخہ میں رائے نے اس کو سہ جو دشمن زبوں کردہ احساں بکن۔ بقدرت جوانمردی جاں بکن۔ لکھا ہے۔ اسی کا تتبع کرتے ہوئے شیخ عبدالرشید (علیگڈھ) نے بھی تھوڑی تبدیلی کے بعد پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے 'جو دشمن زبوں گشت'، اور باقی شعر رائے کے نسخہ کے مطابق ہے۔ [2] پاک کلمہ یعنی لَا اِلٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

ذمّی بنائے گئے، ان کے نام قطعاً فراموش کر دئے گئے تھے۔ میں نے حکم دیا کہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں قاعدہ تھا اسی طرح پھر ان کے نام، معہ القاب و تعریفوں کے، خطبوں میں پڑھے جائیں اور ان کو دعائیہ کلموں کے ساتھ یاد کیا جائے۔ شعر

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا نام ہمیشہ قائم رہے تو بزرگوں کے نیک
نام کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

۱۱ خدائے ہادی و برحق (کہ اس کا نام بلند و برتر ہے) کی ایک نعمت یہ بھی ہے کہ گذشتہ زمانوں میں خلاف شرع اور ناجائز ٹیکس خزانۂ عامرہ میں جمع کئے جاتے تھے .... مثلاً منڈوی برگ[۳]

---

[۱] مسلمانوں کی سلطنت میں غیر مسلم رعایا کو جس کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت حکومت اپنے ذمہ لیتی ہے ذمّی کہتے ہیں [۲] یہ چھوٹے چھوٹے ٹیکس جن کو ابواب کہتے ہیں تقریباً ہر زمانہ میں لئے جاتے رہے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جب مرکزی حکومت مضبوط ہوتی تھی تو یہ ٹیکس سرکاری خزانہ میں داخل ہوتے تھے ورنہ عاملوں اور اہلکاروں کی جیب میں جاتے تھے۔ ان کی وصولی سختی سے کی جاتی تھی اور رعایا ان کی وجہ سے سخت پریشان رہتی تھی۔ فیروز سے پہلے اور اس کے بعد بھی اکثر بادشاہوں مثلاً علاء الدین خلجی، اکبر، جہانگیر وغیرہ نے رعایا کی شکایت پر ان ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزوں کے ابتدائی دور تک یہ ٹیکس برابر وصول کئے جاتے رہے۔ بلکہ بعض مقامات پر تو ان میں سے اکثر ٹیکس مثلاً تہ بازاری و خشت پزی آج بھی وصول کئے جاتے ہیں۔ انگریزی حکومت نے ان ابواب کو منسوخ کر کے ان کی جگہ مال گذاری میں پانچ فی صدی کا اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ چند محصول اب بھی میونسپلٹی کے ذریعہ وصول کئے جاتے ہیں [۳] سبزی یا البقولات کی فروخت پر جو محصول لیا جاتا تھا، داکٹے نے اس کو پانوں کی فروخت پر ٹیکس کہا ہے۔ شیخ عبد الرشید نے رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو ترکاری پر ٹیکس قرار دیا ہے۔

و دلالت بازارہا[1] و امیری[2] طرب و گل[3] فروشی و جزیۂ تنبول[4] و چنگی غلہ[5] و نیلگری[6] و ماہی فروشی[7] و ندافی[8] و صابون گری[9] و ریسمان فروشی[10] و روغن گری[11] و نخود بریاں[12] تہ بازاری[13]

[1] ڈاکٹر قریشی نے اس کو دلالوں پر ٹیکس قرار دیا ہے، ہودی والا نے دلالی پر ٹیکس لکھا ہے۔ اور پروفیسر عبدالرشید نے بھی اسی کو قرین قیاس سمجھا ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر قریشی کی تاویل زیادہ درست ہے۔ کیونکہ بجائے دلالی کے دلالوں پر ٹیکس لینا نہ صرف آسان تھا بلکہ اس اصول کے بھی مطابق تھا جو دوسرے ٹیکسوں کی وصولی میں برتا جاتا تھا۔ یعنی محصول پیشہ وروں کے کام پر لیا جاتا تھا نہ کہ آمدنی پر۔ [2] یہ وہی ٹیکس ہے جو آج بھی Entertainment tax کے نام سے لیا جاتا ہے۔ یعنی تماشوں، ناچ رنگ وغیرہ پر محصول [3] پھولوں کی فروخت پر محصول [4] تمباکو کی فروخت پر محصول۔ ڈاکٹر قریشی نے اس کو لندن کے مخطوطہ کی بنا پر "دریبہ تنبول" کہا ہے پان و تمباکو کے بازار کو اب تک دریبہ کہا جاتا ہے۔ لیکن محصول کے ماتحت اس کو جزیۂ تنبول ہی کہنا زیادہ درست ہوگا۔ یہ ٹیکس اب بھی رائج ہے اور مرکزی محاصل میں شامل ہے۔ راے نے جزیۂ سیول لکھا ہے مگر اس کی تشریح نہیں کی [5] جو غلہ فروخت کی غرض سے بازار میں لایا جاتا تھا اس پر محصول لیا جاتا تھا [6] نیل گری۔ یعنی نیل کے پودے سے نیلا رنگ بنانا۔ اس صنعت پر ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اصلی نسخہ میں بلگری ہے جس کے معنی میری دانست میں مکانات کی تعمیر یا تعمیر کے واسطے مصالحہ بنانے کے ہیں۔ کیونکہ 'بیل' فارسی میں کدال یا پھاوڑہ کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو مصالحہ بطور چونہ یا سیمنٹ کے استعمال کیا جاتا تھا اس میں بیل کا شیرہ جزو لاینفک ہوتا تھا۔ دونوں صورتوں میں بیل گری کا تعلق عمارت سے ہی ہے۔ راۓ نے اپنے نسخہ میں کتاب بیلگری لکھا ہے جس کو شیخ عبدالرشید نے کتابی و بیلگری کہا ہے۔ اور بیل گری کو بغیر تشریح چھوڑ کر کتابی کو تحریرات پر ٹیکس قرار دیا ہے جو بالکل قرین قیاس ہے [7] ماہی فروشی پر ٹیکس بہت عام ہے۔ پسماندہ علاقوں مثلاً پاکستان میں ساحل مکران و اس بیلہ پر اب بھی یہ ٹیکس جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے [8] ندافی۔ روئی دھننا [9] صابن بنانے [10] رسی بنانے اور بیچنے [11] تیل نکالنے [12] بھنے ہوئے چنے بیچنے پر محصول [13] بجائے دکانوں کے زمین پر بیٹھ کر یا چل پھر کر بیچنے والوں سے محصول لیا جاتا تھا۔

وچھتہ[1] و قمار خانہ[2]، داد بیگی[3]، و کوتوالی[4] و قصابی[5] و کوزہ و خشت بزی[6]، و چرائی[7] و مصادرات[8]، میں نے تمام دفتروں اور دیوان وزارت[9] کو حکم دیا کہ ان سب کو

---

[1] چھتہ چھت سے مشتق ہے، اصطلاح میں کسی مسقف راستے یا جگہ کو کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں سڑکوں اور بازاروں پر اس طرح کے چھجے دار مقامات اس لئے بنائے جاتے تھے کہ دھوپ اور بارش سے راستہ چلنے والے محفوظ رہیں۔ چونکہ یہ سرکاری سڑک پر ہوتے تھے۔ اس واسطے اس کے تعمیر کرنے والوں سے محصول لیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ میونسپلٹیوں میں اب بھی رائج ہے [2] جوئے خانوں پر ٹیکس۔ علاء الدین خلجی نے بھی اس محصول کو معاف کیا تھا [3] داد بیگی۔ جس طرح آج عدالتوں میں عرضی دینے پر اسٹامپ فیس لی جاتی ہے اسی طرح اس زمانہ میں بھی محصول لیا جاتا تھا۔ چونکہ اس طرح غریبوں کو داد خواہی میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے یہ محصول ہٹا کیا جاتا رہا [4] ڈاکٹر قریشی نے اس کو پولس ٹیکس کہا ہے۔ مگر شیخ عبدالرشید کو اس سے اتفاق نہیں۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی انتظامی ٹیکس ہوگا۔ اور اس لحاظ سے ڈاکٹر قریشی کا خیال زیادہ قابل قبول ہے [5] عبدالرشید کے نسخہ میں کوتوالی اور قصابی کے درمیان احتسابی نام کے ایک ٹیکس کا بھی ذکر ہے، جو رائے کی کتاب میں بھی ملتا ہے، یہ غالباً فرشتہ سے ماخوذ ہے۔ قصابی ہر قسم کے گوشت بیچنے پر محصول [6] کوزہ وخشت بزی۔ عبدالرشید نے کوزہ خشت بزی لکھا ہے۔ رائے نے اس کو کرھی لکھا ہے۔ کوزہ دستہ دار برتن کو کہتے ہیں یا عام اصطلاح میں مٹی کے چھوٹے برتن کو کہا جاتا ہے۔ ایران و بلوچستان کی سرحد پر اب تک کوزہ دستہ دار صراحی کو اور کرہ مٹی کے لوٹے کو کہتے ہیں۔ ڈاکٹر قریشی نے اس پر اپنی کتاب میں بحث کی ہے۔ شیخ عبدالرشید کے نزدیک کرھی و برائی ایک ہی چیز ہے۔ انہوں نے اس کو گڑھی اور کڑھی پڑھ کر بھی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس صریح اصطلاح کی موجودگی میں جو مجھ کو ایران و بلوچستان کی سیاحت میں حاصل ہوئی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وہ ٹیکس تھا جو بھٹیوں میں مٹی کے برتن اور اینٹیں پکانے پر لیا جاتا تھا [7] چرائی۔ یہ ٹیکس علاء الدین خلجی نے رائج کیا تھا اور صرف دودھ دینے والے جانوروں پر لیا جاتا تھا۔ جن سے دودھ، دہی وغیرہ روزمرہ کے استعمال ہونے والی خوراک کی قیمت (باقی اگلے صفحہ پر)

منسوخ کر دیا جائے اور سرکاری عہدہ داروں میں سے جو ان محاصل کو وصول کرے یا جمع کرے اس کو اس جرم کی سزا دی جائے۔ شعر

نیک لوگوں کی جمعیت خاطر بہتر ہے یا خزانہ اکٹھا کرنا۔ یہ بہتر ہے کہ خزانہ خالی ہو یا یہ کہ لوگ پریشان حال رہیں؟

اب جو رقم کہ خزانہ عامرہ میں جمع ہوتی ہے انہیں محاصل سے آتی ہے جن کو آں حضرت صلعم (ان پر اور ان کی اولاد پر درود ہو) کی شریعت میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور مذہبی کتابوں کی ان کے بارے میں تصدیق ہے۔ اوّل زرعی زمینوں کی مال گذاری جن پر دسواں حصّہ محصول لیا جاتا ہے، اور زکوٰۃ دوسرے ہندوؤں سے جزیہ۔ اس کے علاوہ ترکہ جات، مال غنیمت اور کانوں کی پیداوار (معدنیات) کا پانچواں حصّہ۔ لیکن جس ٹیکس کے وصول کرنے کا حکم شرع کی رو سے جائز نہیں، اس کو کسی صورت میں بھی بیت المال میں جمع نہ کیا جائے۔

ایک بات یہ ہے کہ اس سے قبل بدعت اور قدیم رسم کی وجہ سے یہ رواج ہو گیا تھا کہ مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ تو خزانہ میں جمع کیا جاتا تھا اور صرف پانچواں

(بقیہ صفحہ سابق) میں اضافہ ہوتا تھا۔ ۵؎ مصادرات۔ مختلف قسم کے جرمانے۔ شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں دانگانہ، مستغل، اور جزری اور دوری چار ٹیکسوں کا اور ذکر کیا ہے۔ سیرۃ میں کبابی، حفر دات اور دانگانہ اور طبقات اکبری میں نکاحی اور داروغی کا بھی ذکر آتا ہے جو فتوحات میں شامل نہیں ہیں۔ عفیف ص ــــ، سیرۃ ص ــــ طبقات

۶؎ دیوان وزارت۔ اس زمانہ میں چار بڑے محکمے تھے جن کو دیوان کہتے تھے۔ دیوان وزارت کا کام مال گذاری اور ٹیکس کے حسابات رکھنا تھا۔ تفصیل کے واسطے دیکھو ڈاکٹر قریشی کی کتاب ص ۱۲۔

حصہ غنیمت جمع کرنے والے سپاہی کو ملتا تھا۔[۱] لیکن شریعت کا حکم یہ ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہو اور ۴/۵ حصہ سپاہیوں میں تقسیم کر کے اُن کو دے دیا جائے گویا اس معاملہ میں بالکل الٹا حکم چلتا تھا۔ چونکہ یہ تقسیم شرع کے مطابق نہ تھی اس لئے جو شخص بھی اس رقم کو صرف کرتا وہ حرام کا مرتکب ہوتا۔ اسی طرح مال غنیمت کی لونڈی سے جو غلام (بچہ) بھی پیدا ہوگا وہ ناجائز تصور ہوگا۔ اس برائی کو روکنے کے واسطے میں نے حکم دیا کہ صرف پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے اور ۴/۵ ان لوگوں ۱۲
کو دیا جائے جنہوں نے اس مال غنیمت کو حاصل کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ شیعہ[۲] مذہب کے لوگ جنہیں رافضی کہتے ہیں، لوگوں کو رفض اور شیعہ مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اور اس مذہب کی کتابیں اور رسالے لکھ کر اس کی تعلیم و تبلیغ کرتے تھے۔ یہ لوگ خلفائے راشدہ

---

[۱] شرع کی رو سے مال غنیمت کا خمس یا پانچواں حصہ سلطنت کا حق ہے لیکن حجاج بن یوسف نے اس ترتیب کو الٹ کر ۴/۵ حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان میں ابتداءً ۱/۵ ہی لیا جاتا تھا لیکن علاء الدین نے جب ٹیکس بڑھائے تو اس کو بھی ۴/۵ کر دیا۔

[۲] محمد تغلق کے زمانے میں جب فلسفہ کا عروج ہوا تو جس طرح عباسی دور خلافت میں طرح طرح کے فرقے پیدا ہو گئے اسی طرح ہندوستان میں بھی آزادانہ مشربی کا دور دورہ ہوا۔ اور یہاں بھی وہی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ فیروز پر چونکہ علمائے شریعت کا پورا اثر تھا۔ اور وہ خود بھی شریعت کا پابند تھا اس لئے اس نے ان فرقوں کا سدباب ضروری سمجھا۔ اور ان کو سخت سزائیں دیں۔ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس جگہ جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل کون تھے۔ لیکن قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور اگر وہ واقعی اسی طرح کی نازیبا حرکات کرتے تھے جن کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ یقیناً مومن شیعہ نہ تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور تمام صوفیائے کرام[1] (خدا ان سب سے راضی ہو) کو علانیہ برا بھلا کہتے۔ اغلام پرستی کرتے اور قرآن مجید کو ملحقات عثمانی[2] کہتے تھے۔ میں نے ان سب کو گرفتار کرا لیا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خود بھی گمراہی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں تو میں نے ان میں سے جو لوگ کٹر تھے ان کو قتل کرا دیا۔ اور باقی لوگوں کو سزا، تاکید و تشہیر کے ذریعہ سے تنبیہہ کی اور ان کی کتابوں کو شارع عام پر جلا دیا۔ حتیٰ کہ خدا کے فضل سے اس فرقہ کا فتنہ بالکل رفع ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ ملحدوں[3] اور اباحتیوں[4] کا ایک گروہ اکٹھا ہو گیا تھا اور وہ لوگوں کو الحاد اور اباحت کی طرف بلاتے تھے۔ محرم اور نا محرم[5] رشتے داروں کو ایک مخصوص مقام پر جمع ہوتے، شراب و کباب سے شغل کرتے اور کہتے تھے کہ یہ عبادت ہے۔ اور ایک مورت

---

[1] رائے کے نسخہ میں خلفائے راشدین تا صوفیائے کرام کی جگہ صرف لفظ "شیخین" ہے [2] مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف میں بجائے تیس پاروں کے چالیس پارہ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جب ان کو ترتیب دیا تو دس پارہ خارج کر دیئے اس لئے وہ قرآن شریف کو ملحقات عثمانی کہتے ہیں۔
[3] ملحد وہ لوگ ہیں جو خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہیں یا راہ حق سے پھر جاتے ہیں [4] اباحت کے معنے حرام چیز کو حلال کر لینا ہے، یہ فرقہ چونکہ دوسروں کی بہو بیٹیوں کے ساتھ جنسی تعلقات کو جائز قرار دیتا تھا۔ اس واسطے ان کو اباحتیان کہتے تھے۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ فلسفہ کی تعلیم اور علمائے سوء کے اثرات نے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں ایک عجیب قسم کا ذہنی بحران پیدا کر دیا تھا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جو اپنی اپج کے مطابق خود ہی نئے نئے اصول زندگی بناتے تھے اور ان کو مذہبی رنگ دیدیتے تھے لیکن ان کی تعداد بہت محدود تھی اور بادی النظر میں یہ جتنے خطرناک نظر آتے تھے اس کا عشر عشیر بھی نہ تھے البتہ علماء کے اثرات پر ان کی موجودگی سے چونکہ زد پڑتی تھی اس واسطے وہ لوگ ان کی موجودگی اور روز افزوں ترقی سے خائف تھے۔ اور ان کے خلاف جہاں تک ممکن ہوتا برا بھلا گنڈا کرتے۔ اور اگر فیروز کی طرح کوئی بادشاہ ان کے زیر اثر ہوتا تو شریعت کی آڑ لیکر اس سے ان کا دفعیہ کراتے تھے۔
[5] خدا نے جن عورتوں سے مردوں یا مردوں سے عورتوں کا پردہ ناجائز قرار دیا ہے وہ محرم ہیں باقی نا محرم۔

بناکر لوگوں کو اسی پر آمادہ کرتے تھے کہ اس کو سجدہ کریں، اس رات جن لوگوں کی بیویاں، مائیں اور بہنیں وہاں آتی تھیں ان میں سے جن کے کپڑے ایک دوسرے کے ہاتھ لگ جاتے تھے وہ اس کے ساتھ زنا کرتا تھا۔ میں نے ان کے پیروں کو جو شیعہ تھے قتل کرا دیا، اور دوسروں کو قید، جلاوطنی اور دوسری سزائیں دیں حتیٰ کہ سرزمین اسلام سے ان کا فتنہ بالکل دور ہوگیا۔

علاوہ ازیں ایک طبقہ دہریت، ترک دنیا اور تجرد کے بہانے عوام کو گمراہ کرتا تھا۔ یہ لوگ دوسروں کو مرید بناتے اور کفر کی باتیں کرتے تھے۔ ان گمراہوں کا ایک پیر احمد بہاری نامی تھا جو شہر میں رہتا تھا اور بہار کے کچھ لوگ اس کو خدا کہتے تھے۔ اس گروہ کو قید کرکے
۱۳ پابہ زنجیر میرے پاس لایا گیا۔ اور لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ آں حضرت صلعم کی برائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس شخص کی نو بیویاں ہوں اس کی پیغمبری میں کیا وزن ہو سکتا ہے۔ اور اس کے مریدوں میں سے ایک شخص کہا کرتا تھا کہ "دہلی میں خدا یعنی احمد بہاری جلوہ افروز ہوگیا ہے"۔ جب ان کے خلاف یہ الزام ثابت ہوگیا تو میں نے دونوں کو قید زنجیر کی سزا دی۔ اور دوسروں کو توبہ کرنے اور ان عقائد سے باز آنے کا حکم دیا۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کو جداگانہ شہر میں جلاوطن کر دیا۔ حتیٰ کہ اس گمراہ جماعت کا فتنہ دور ہوگیا۔

لہ۔ شیخ شرف الدین بہاری کے ملفوظات میں ان کا ذکر ہے مگر اس سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مجذوب تھے اور اکثر شیخ کے پاس آکر ان سے توحید کے متعلق سوال کیا کرتے تھے۔ لیکن حالت جذب میں اس قسم کی باتیں کرنے لگتے تھے جو عوام کے فہم سے باہر ہوتی تھیں۔ جب وہ دہلی گئے تو وہاں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔ علمار چونکہ اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے اس لئے وہ فیروز کے سامنے واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے اور اسی کے مطابق سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ کیونکہ سزا کا فیصلہ کرنا بھی انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

ایک بات یہ ہے کہ شہر دہلی میں ایک شخص رکن نامی تھا جو مہدی کہلاتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مہدی آخر الزمان میں ہوں، اور مجھ کو علم سینہ[۱] حاصل ہے۔ میں نے کسی سے تعلیم و فیض حاصل نہیں کیا، اور مجھ کو تمام مخلوقات کے ناموں کا علم ہے جس کو سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے اور کوئی پیغمبر نہ جانتا تھا[۲] اور علم حروف کے وہ راز[۳] جو کسی کو معلوم نہیں مجھ پر ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ اس نے ان دعووں کی دلیل میں کتابیں لکھی تھیں اور لوگوں کو گمراہی اور کج روی پر آمادہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ہی رسول اللہ صلعم کے مذہب کا ستون ہوں۔ اس بارے میں بزرگان دین نے میرے سامنے گواہی دی کہ اس نے واقعی اس طرح کی باتیں کہی ہیں۔ اور انہوں نے خود اس کی زبانی سنی ہیں۔ جب اسے میرے سامنے لایا گیا تو میں نے خود اس سے اس کی گمراہی اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے اس بدعت و گمراہی کا اعتراف کیا۔ علمائے دین نے کہا " یہ کافر ہو گیا ہے اور اس کا قتل جائز ہے۔ چونکہ یہ فتنہ و فساد اس کی بدنفسی کی وجہ سے اسلام و اہل سنت و جماعت میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے اگر اس کو دور کرنے میں تساہل کیا گیا تو خدانخواستہ ایسا

---

[۱] علم سینہ:- اہل طریقت کا خیال ہے کہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ پیر کی تعلیمات ہے نہ کہ نماز و روزہ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ علم حضرت علیؓ سے شروع ہو کر سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے [۲] قرآن شریف میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت آدم کو خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا تو خدا نے حضرت آدمؑ کو علم اسماء (ناموں کا علم) سکھا دیا۔ اور پھر جب دونوں کا امتحان لیا گیا تو حضرت آدمؑ علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت سے مسلمانوں کے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ یہ کوئی خاص علم تھا جو بجز حضرت آدمؑ کے اور کسی کو نہ آتا تھا۔ (آیہ سورہ بقر ۳۱) [۳] قرآن شریف کی بعض سورتوں کے شروع میں چند حروف مثلاً طسم وغیرہ آتے ہیں جن کے صحیح معنی سے کوئی واقف نہیں۔ علماء اس کو مقطعات کہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ صرف آں حضرت صلعم ہی ان کے رموز و معانی سے واقف تھے۔

نہ ہو کہ وہ مسئلہ راسخ ہو جائے کہ بہت سے مسلمان راہ راست سے بھٹک کر دین سے برگشتہ ہو جائیں
اور اس سے ایسا فساد برپا ہو کہ جس کی وجہ سے لوگ ہلاک ہو جائیں۔" میں نے حکم دیا کہ علمائے
عالم کی مجلس میں اس ناہنجار کی گمراہی، ضلالت اور کج روی کا اعلان کیا جائے جس
کو تمام خاص و عام سنیں اور علمائے دین اور مقتدایان شریعت جو کچھ اس کے بارے
میں حکم دیں اسی کے مطابق اس کو سزا دی جائے۔" چنانچہ اس کو معہ ان لوگوں کے جو
اس کے عقیدت مند، پیرو یا شریک کار تھے قتل کر دیا گیا۔ سب خاص و عام جمع ہو
گئے اور اس کے گوشت، کھال اور جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اور اس کا فتنہ اس طرح
۱۷ دور ہوا کہ تمام لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہوئی۔ اس طرح خدائے بزرگ و برتر
نے مجھ کو، جو اس کا ایک ناچیز بندہ ہوں اپنے فضل و کرم سے اس طرح کے مختلف
فتنوں اور ایسی بدعتوں کو دور کرنے میں کامیابی عطا فرمائی اور سنت نبوی کو از سر نو
جاری کرنے کی توفیق دی۔ اور اس بیان سے غرض یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کا شکر
ادا کروں۔ جس شخص کے دل میں اپنے دین کی اصلاح کا خیال ہو اس کو چاہیے کہ ان
خلاف شرع باتوں کو سن کر یا پڑھ کر، اسی طریقہ کے مطابق عمل کرے تاکہ اس کو
ثواب حاصل ہو اور میں خود بھی نیکی کا یہ راستہ دکھا کر ثواب کا امیدوار رہوں۔ اللہ ہی
نیک کاموں کی توفیق دیتا ہوں۔

ایک بات یہ ہے کہ عین ماہرو[1] کا ایک غلام زادہ گجرات کے علاقہ میں شیخ دبیرا

---

[1] عین الملک ماہرو، محمد تغلق اور فیروز کے زمانے میں ایک مقتدر حیثیت رکھتا تھا اور فیروز شاہی حکومت میں مشرف ممالک تھا۔ اس کا پورا نام معہ القاب و خطابات کے ملک الشرق الوزرا عین الملک عین الدولہ والدین عبداللہ ماہرو ملتا ہے۔ لیکن وہ خود اختصار سے عین ماہرو لکھا کرتا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے "منشات ماہرو" مشہور ہے جس میں قاضیوں، صوفیوں (باقی اگلے صفحہ پر)

بن بیٹھا اور ایک جماعت کو اپنا مرید بنالیا۔ وہ کہتا تھا "مَیں خدا ہوں"[۱] اور مریدوں کو ہدایت تھی کہ جب میں کہوں کہ "میں خدا ہوں" تو تم کہو کہ "تو ہی ہے۔ تو ہی ہے" اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ "میں وہ بادشاہ یا مالک ہوں جس کو موت نہیں ہے۔" اور اس نے ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں کفر کے فقرے لکھے تھے۔ لوگ اس کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس لائے۔ اس کے متعلق بھی گمراہی کا جرم ثابت ہوگیا۔ چنانچہ میں نے اسے بھی قتل کی سزا دی اور جو کتاب اس نے لکھی تھی اس کو جلا دیا گیا۔ حتیٰ کہ خدا کو ایک ماننے والے مسلمانوں سے یہ فساد بھی دور ہوگیا۔

اس کے علاوہ ایک یہ رسم و عادت جس کو اسلام نے جائز قرار نہیں دیا، مسلمانوں کے شہر (دہلی) میں عام ہوگئی تھی کہ تہواروں کے دنوں میں عورتوں کی ٹولیاں پالکی، رتھ، ڈولہ، گھوڑوں اور بیلوں پر سوار ہوکر یا بہت بڑی تعداد میں

(بقیہ صفحہ سابق) شہزادوں، امراء، حکام اور ماتحتوں کے نام اس کے خطوط ہیں۔ عفیف نے ماہرو کا جو حال لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علاوہ علم و ادب میں ید طولیٰ رکھنے کے وہ حساب کتاب میں بھی ماہر تھا۔ اور اسی واسطے خواجہ جہاں وزیر سے اس کی چشمک رہتی تھی کیونکہ خواجہ جہاں حساب کتاب کے معاملات پر احتساب کرتا اور اعتراضات کرتا تھا۔ بالآخر دونوں کے تعلقات اس قدر خراب ہوگئے کہ فیروز نے مجبور ہوکر اسے معزول کیا۔ اور ملتان کا حاکم بنادیا قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ ذاتی قابلیت کے دربار میں بھی اس کی پارٹی زبردست تھی (دیکھو عفیف ص۴۰۶ سے ص۴۱۸ تک) [۱] منصور حلاج نے جس طرح "انا الحق" کا دعویٰ کیا تھا اسی طرح اکثر اور لوگوں نے بھی یہ صدا بلند کی۔ لیکن انہوں نے یا تو شریعت کی تعزیر سے ڈر کر توبہ کرلی یا علماء کے فتویٰ پر قتل ہوئے۔ بہرحال اس عقیدہ کو کسی زمانہ میں بھی فروغ حاصل نہ ہوسکا کہ لوگ ایک جیتے جاگتے انسان کو خدا تسلیم کرلیں۔ انا الحق کے معنی ہیں مَیں سچا ہوں۔ لیکن اس کے ایک معنی "میں خدا ہوں" بھی ہوسکتے ہیں اور اسی پر علمائے شریعت کو اعتراض تھا۔

پیادہ پا شہر سے نکل کر مزاروں پر جایا کرتی تھیں، اور بدکار و بدمعاش لوگ جو نفس پرستی میں گرفتار اور ان کے پاس عزت سے بالکل عاری تھے ایسی ناشائستہ حرکتیں کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اس طرح کی رسوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ عورتوں کا باہر نکلنا شرعاً ممنوع[1] ہے اس لئے میں نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزاروں پر نہ جائے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اسے سزا دی جائے" اس وقت خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے مسلمان خواتین و مستورات کی مجال نہیں کہ باہر نکلیں اور زیارت کے واسطے جائیں۔ چنانچہ یہ بدعت بھی ختم ہوگئی۔ دوسری مہربانی خدا کی یہ ہے کہ جن ناپاک[2] اور بت پرست ہندوؤں نے

---

[1] عورتوں کی آزادی کے سلسلے میں پردہ کا مسئلہ آج بھی زیر بحث ہے لیکن پردہ کے متعلق آج کل جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں صرف قرآن شریف کے احکام سے بحث کی جاتی ہے لیکن علماء کے نزدیک شریعت احکام قرآنی، حدیث، اجماع، فقہ اور اجتہاد مجموعہ کا نام ہے۔ ہندوستان میں ابتدا ہی سے مسلمانوں کے ہاں نہایت سخت قسم کا پردہ رائج تھا۔ جس کا عرب کی تہذیب میں پتہ نہیں چلتا۔ سلطانہ رضیہ پہلی مسلمان خاتون ہے جس نے اس سخت قسم کے پردہ کے خلاف احتجاج کیا۔ اور عملی قدم اٹھایا۔ لیکن زمانہ نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ ناکامیاب رہی۔ اس طرح نسوانی آزادی کی جد و جہد میں وہ طبقہ جو پردہ کا حامی اور عورتوں کی آزادی کا مخالف تھا۔ برسر اقتدار رہا۔ ان میں علماء و امراء سب سے پیش پیش تھے اور شریعت کی آڑ لیکر عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھتے تھے۔ فیروز کے زمانہ میں عورتوں کا پردہ اتنا سخت تھا۔ کہ تاتار خاں جب سفر پر جاتا تھا تو اپنی لونڈیوں کو بجائے اس کے کہ گھوڑے پر سوار کر کے لیجائے رتھوں میں بند کر کے لیجاتا تھا۔ اور اس کے واسطے اس نے ایسے رتھ بنوائے تھے جن میں دروازے ہوتے تھے اور ان کو مقفل کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ ان پر نامحرموں کی نظر نہ پڑے" (عفیف ص ۲۹۳-۴)

[2] متن میں مرواک، کا لفظ ہے جو کسی لغت میں نہیں ملتا اس کی تشریح دو طریقے پر ہو سکتی ہے یا تو یہ کہ یہ اسم معرفہ ہے اور ہندوؤں کا کوئی مذہبی فرقہ اس نام سے موسوم تھا۔ یا پھر یہ کسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو کاتب یا کاتبوں کی غلطی سے مسخ ہو کر کچھ کا کچھ ہوگیا ہے۔ راقم نے اصل لفظ (باقی اگلے صفحہ پر)

زرِ ذمہ (جزیہ) دینا قبول کر لیا تھا اور جزیہؔ دیتے تھے۔ اور اس کی وجہ سے ان کے گھر بار محفوظ تھے۔ وہ اب شہر اور گرد و نواح میں نئے مندر بنانے لگے تھے۔ شرع محمدی کی رو سے نئے بت خانے بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے ان ناپاک عمارتوں کو منہدم کرا دیا اور کفار کے سرداروں کو جو دوسروں کو گمراہ کرتے تھے قتل کرا دیا اور ان کے عوام کو سزا دے کر تنبیہہ کی۔ حتیٰ کہ یہ فتنہ بالکل رفع ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ سابق) سے اعتنا نہ کرتے ہوئے اس کا ترجمہ "احمق" کیا ہے۔ جو سیاق کو دیکھتے ہوئے بے جوڑ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ عبدالرشید کی رائے میں یہ مرتق یا مرتُی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ میری دانست میں یہ لفظ "ناپاک" تھا جو کتابت کی غلطی سے اس طرح مسخ ہو گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فیروز کا مقصود اس فرقہ سے ہو جس کو "دام مارگی" کہتے ہیں، اور جس کی تفصیل "ریلیجن اینڈ فوک لور آف ناردرن انڈیا" میں ملتی ہے دیکھئے صہ۳۲۱) لہ جزیہ کی تحقیق کے واسطے دیکھئے علامہ شبلی کا مضمون جزیہ مشمول "المامون" یا رسائل شبلی"۔ غیر مسلموں خصوصاً انگریزوں نے اس کے متعلق بہت غلط فہمی کا اظہار کیا ہے۔ جزیہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ملک کی حفاظت تمام اہل ملک پر لازمی ہے اس لئے جنگ کے موقع پر تمام لوگوں کو فوج میں شامل ہو کر لڑنا ضروری ہے۔ لیکن غیر مذاہب والوں کے ساتھ اسلام نے یہ رعائت رکھی ہے۔ کہ جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں لیکن کسی وجہ سے فوج میں شامل ہونا نہیں چاہتے وہ مستثنیٰ کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے عوض ان سے ایک معمولی رقم وصول کی جاتی ہے۔ جو فوجی ضرورتوں کے کام آتی ہے۔ انگلستان میں بھی اسی قسم کا ایک ٹیکس رائج تھا جو (scutage) کہلاتا تھا۔ فیروز کے زمانہ سے قبل مسلمان بادشاہوں نے جزیہ کو غیر ضروری سمجھ کر معاف کر رکھا تھا۔ لیکن فیروز چونکہ ہر کام شریعت کے مطابق کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے جزیہ رائج کیا جس کی شرح ۴۰، ۲۰ اور دس تنکہ تھی۔ برہمنوں نے اس کی ادائیگی پر سخت احتجاج کیا اور بھوک ہڑتال کر دی۔ یہ بھی دھمکی دی کہ ہم آگ میں جل کر مر جائیں گے۔ لیکن جزیہ نہ دیں گے۔ لیکن فیروز نے اپنی فطرت کے خلاف سختی سے اس حکم کا نفاذ کیا۔ اور بالآخر جب دوسرے ہندوؤں نے ان کی طرف سے اس جزیہ کی ادائیگی کا ذمہ لیا تب یہ گتھی سلجھی (عفیف صہ۳۸۲-۳۸۴)

پھر ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ موضع ملوہ[1] میں ایک حوض ہے جسے کنڈ[2] کہتے ہیں یہاں ہندوؤں نے بت خانہ بنالیا تھا اور ان کی ایک جماعت سال کے ایک مخصوص دن ایک دوسرے کی پیروی میں گھوڑوں پر سوار اور ہتھیاروں سے آراستہ ہوکر اور زرہ پہن کر اور ان کی عورتیں اور بچے پالکی اور رتھوں میں سوار ہوکر ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے۔ اور بت پرستی کرتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی اور اس فساد میں انھوں نے یہاں تک مبالغہ کیا تھا۔ کہ دوکاندار وہاں طرح طرح کی بیش قیمت چیزیں لے جاتے اور بازار لگاکر فروخت کرتے تھے۔ اور کچھ بے دین مسلمان بھی دنیاوی فائدے کی غرض سے ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ جب یہ بات میرے گوش گزار ہوئی تو میں نے خدا کی مدد اور فضل الٰہی سے اس فتنہ و فساد کے دفعیہ کے واسطے جس کی وجہ سے دین اسلام میں نقصان اثر پذیر ہوتا جاتا تھا۔ خود وہاں جانے کا ارادہ کیا اور جس روز وہ لوگ جمع ہوا کرتے تھے وہاں جا پہنچا۔ اور حکم دیا کہ ان کے سرگروہوں کو جو لوگوں کو ورغلاتے اور گمراہ کرتے تھے قتل کر دیا جائے۔ اور باقی تمام ہندوؤں کو سخت سزائیں دے کر ان حرکات سے روک دیا۔ اس بت خانہ کو مسمار

---

[1] ملوہ، دہلی کے قرب و جوار میں کوئی مقام تھا۔ لیکن اب اس کا صحیح طور پر تعین کرنا مشکل ہے۔ ہو دی والا نے اس کو مالوس سمجھا ہے۔ جہاں فیروز شاہ نے ایک بند بنایا تھا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ یہ مالوہ ہے جو دہلی کے نزدیک ہی واقع تھا۔ میرے خیال میں پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی رائے زیادہ انسب ہے جو اسے مالوہ سمجھتا ہے۔ دیکھو تاریخ اورنگ زیب جلد سوئم ص ۲۷۹)

[2] بعض نسخوں میں کنڈ کی بجائے گند ہے۔ لیکن چونکہ ہندی میں حوض یا تالاب کے واسطے کنڈ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس لئے یہی لفظ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایلیٹ نے بھی اسی کو قرین قیاس سمجھا ہے۔ اور شیخ عبدالرشید بھی اسی کو درست سمجھتے ہیں۔

کرا کے وہاں مسجد تعمیر کرا دی۔ اور دو قصبے آباد کرا دیئے ایک کا نام تغلق پور اور دوسرے
کا سالار پور[۱] رکھا۔ اب اس جگہ جہاں ان ناپاک کافروں نے بت خانہ بنایا تھا خدائے
بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے مسلمان معبود حقیقی کو سجدہ کرتے اور تکبیر و اذان اور
نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔ جہاں کفار نے گھر بنایا تھا وہاں آج مسلمان آباد ہیں اور ۱۶
کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے اور شکر باری ادا کرتے ہیں۔ خدا کی بے
انتہا تعریف اسلام کی جانب ہو۔

پھر یہ کہ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ کچھ ہندوؤں نے موضع صالح پور میں ایک
نیا مندر بنا لیا ہے اور وہاں بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہاں بھی میں نے کچھ لوگوں کو بھیج
دیا کہ مندر کو مسمار کر دیں اور ان لوگوں کو جو گمراہی میں پختہ تھے وہاں سے نکال دیا۔

علاوہ ازیں بعض ہندوؤں نے قصبہ گوہانہ[۲] میں ایک نیا بت خانہ بنا لیا تھا،
اور وہاں مشرکوں کا ایک گروہ جمع ہو کر بت پرستی کرتا تھا۔ ان لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس
لایا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے جو فتنہ و فساد کے بانی ہیں ان کی گمراہی کا
بیانگ دہل اعلان کیا جائے اور ان کو شاہی محل کے دروازے پر قتل کیا جائے۔ اُن

---

[۱] فیروز تغلق نے اپنے دورِ حکومت میں کثرت سے نئے شہر بسائے اور بستیاں آباد کیں تاکہ ان کے ذریعہ سے
اس کا نام مشہور ہو اور لوگ زمانہ دراز تک اس کو یاد رکھیں۔ یہ بستیاں زیادہ تر تو خود اسی کے نام سے
منسوب ہیں مثلاً فیروز آباد، فیروز کوٹلہ، فیروز پور، لیکن بعض کو اس نے اپنے چچا، باپ یا چچا زاد بھائی کے
نام سے بھی آباد کیا۔ تغلق پور، غیاث الدین تغلق اور سالار پور خود اس کے باپ سپہ سالار رجب کے
نام پر آباد کئے گئے تھے [۲] گوہانہ مشرقی پنجاب میں ایک مشہور قصبہ ہے۔

کی کافرانہ کتابیں بت اور بت پرستی سے متعلق سامان کو، جو اُن کے ہمراہ لایا گیا تھا سب کے سامنے مقام سیاست[۱۱] پر جلا دیا جائے اور باقی لوگوں کو تنبیہ و سزا کے ذریعہ سے منع کیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور آئندہ کوئی ذمّی اسلامی مملکت میں اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔

ایک بات یہ ہے کہ زمانہ پیوستہ میں یہ رسم ہو گئی تھی کہ کھانے میں دسترخوان پر سونے چاندی کے برتن استعمال کئے جاتے تھے، اور تلوار کی پیٹیاں، خول اور ترکش سونے سے بناتے اور جواہرات سے مرصّع کرتے تھے، میں نے ان چیزوں کو منع کر دیا۔ اور اپنے ہتھیاروں کے نیام شکار کے جانوروں کی ہڈیوں سے بنوائے اور ان برتنوں کا استعمال شروع کیا جو شرعاً جائز ہیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ گذشتہ زمانہ میں یہ طریقہ رائج ہو گیا تھا کہ کپڑوں پر تصویریں بناتے تھے[۱۲] اور بادشاہوں کے دربار کی طرف سے عزت افزائی کے واسطے یہ کپڑے لوگوں کو پہنائے جاتے تھے۔ اسی طرح زین اور لگام، گھوڑوں کے سازوں عود کی انگیٹھیوں، پیالوں، کوزوں، طشت اور لوٹوں، خیمہ کے دروازوں اور ١٧

---

[۱۱] مقام سیاست وہ جگہ جہاں شارع عام پر لوگوں کو سزا دی جاتی تھی۔ یہ عام طور پر یا تو شاہی محل کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ یا شہر کے دروازے کے آگے .... چینیوں کے زمانہ سے چلی آتی تھیں، ہندوستان میں بدھوں کے زمانہ سے رائج ہوئی، اور مسلمانوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی اس کو اختیار کر لیا، چنانچہ علاءالدین خلجی نے مشہور مورخ، برنی کے چچا علاءالملک کو اس کی خدمات کے سلسلہ میں جو زردوزی قبا عطا فرمائی تھی، اس پر سنہری تاروں سے شیر کی تصویر بنائی گئی تھی۔ (دیکھو برنی ص۲۷۱)

پردوں، تخت وکرسی[1] اور تمام برتنوں اور چیزوں پر تصویریں اور شکلیں بنائی جاتی تھیں، میں نے خدا کی مہربانی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حکم صادر کیا کہ ان تمام تصویروں اور صورتوں کو مٹا دیا جائے اور صرف وہی چیزیں بنائی جائیں جو شرع کی رو سے ناجائز نہیں ہیں اور جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ گھروں دیواروں اور محلات پر جو تصویریں بنائی جاتی تھیں، ان کے بارے میں حکم دیا گیا۔ کہ سب کو مٹا دیا جائے[2]۔

پھر یہ کہ اس سے قبل اکثر امراء کے لباس ریشم اور سنہری تاروں (زردوزی) سے کاڑھے (بنائے) جاتے تھے جو شرعاً ناجائز ہے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے ایسے لباس رائج کئے جو شرع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رو سے جائز ہیں۔ اور زردوزی کے کام سے بنے ہوئے جھنڈے اور ٹوپیاں (کلاہ) جن کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ نہ ہو استعمال ہونے لگیں اور جو باتیں خلاف شرع ناجائز یا ممنوع تھیں، ان کو دور کر دیا گیا۔ خدا کی بے انتہا تعریف اسلام پر ہو۔

پھر خدائے تعالیٰ کی ان مہربانیوں میں سے جو اس نے مجھ ناچیز بندے پر

---

[1] تخت عموماً پتھر اور کرسی صندل کی لکڑی کی ہوا کرتی تھی۔ بعض اوقات کرسی بھی پتھر کی بنائی جاتی تھی بادشاہ تخت کے اوپر کرسی بچھا کر بیٹھا کرتا تھا۔ سفر میں عموماً تخت کو تو چھوڑ دیا جاتا تھا اور صرف کرسی ہمراہ جاتی تھی۔ جس پر بادشاہ بیٹھتا تھا۔

[2] شریعت کی رو سے ذی روح کی صورت یا تصویر بنانا اور رکھنا ناجائز ہے۔ اس لئے ان تصاویر کو مٹا دیا گیا تھا۔ عفیف نے ان تصاویر کے بارے میں لکھا ہے کہ آرام گاہ کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں تاکہ بادشاہ خلوت کے وقت ان پر نظر ڈالے، اس بیان سے اندازہ ہو گا کہ ان تصاویر کا موضوع کیا ہو گا۔ ان کی جگہ فیروز نے باغات وغیرہ کی تصاویر بنوا دیں۔ لیکن اس سے یہ نقصان ضرور ہوا کہ اس زمانہ کی مصوری کا نادر نمونہ فنا ہو گیا۔

فرمائیں کچھ یہ ہیں کہ مجھ کو تعمیرات عامہ کے استحکام کی توفیق عطا فرمائی۔[۱] میں نے کثرت سے مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں[۲] بنوائیں تاکہ عالم، مشائخ، زاہد اور عبادت گذار لوگ ان مقامات پر خدائے برحق کی عبادت کریں اور اپنی دعاؤں میں ان کے بنانے والے کو بھی یاد کر لیا کریں۔ تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نہریں جاری کرنا، درخت لگانا، رفاہ عام کے واسطے زمین وقف کرنا، شریعت کے مطابق امر مسلمہ ہے، اسلام میں علمائے شریعت کا اس پر کلی اتفاق ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ میں نے ان کی آمدنی کو خرچ کی مختلف مدات میں تقسیم کر دیا تاکہ اس سے ہمیشہ ضرورسیدہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے اور اس کی تفصیل وقف نامہ[۳] میں

---

[۱] فیروز سے قبل اکثر سلاطین دہلی نے مختلف عمارات بنوائیں لیکن فیروز دو باتوں میں ان سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اول یہ کہ اس نے تمام منہدم شدہ اور قابل مرمت عمارات کو دوبارہ بنوایا۔ اور اس طرح وہ ہندوستان میں محکمہ آثار قدیمہ کا بانی ہوا۔ دوسرے اس نے تعمیرات عامہ کا ایک جداگانہ محکمہ قائم کیا جس کی نگرانی وہ خود کرتا تھا عفیف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے ملک غازی کو شحنہ معماری مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ عبدالحق بھی ماہر تعمیرات تھا۔ مختلف قسم کے کاریگروں مثلاً نجار، معمار وغیرہ کا ایک ایک شحنہ علیحدہ تھا۔ جو ان کے کاموں کی نگرانی کرتا تھا۔ جو عمارت بنوانی ہوتی تھی پہلے اس کا نقشہ بنایا جاتا اور خرچ کا تخمینہ لگایا جاتا۔ تب کام شروع کیا جاتا تھا۔ (عفیف ص ۳۳۰)

[۲] عفیف کہتا ہے کہ شہر دہلی میں ۱۲۰ خانقاہیں تھیں جن میں ہر شخص تین دن تک قیام کر سکتا تھا۔ اس طرح گویا وہ سال کے ۳۶۰ دن باسانی دہلی میں بسر کر سکتا تھا (عفیف ص۳۳۰) [۳] بادشاہ کی طرف سے جو جاگیر لوگوں کو دی جاتی تھی یا رفاہ عام کے واسطے جو زمین وقف ہوتی تھی اس کے ساتھ ایک فرمان جس میں وقف نامہ کی شرائط مندرج ہوتی تھیں بادشاہ کے دستخط سے جاری ہوتا تھا۔ اس قسم کے ہزاروں فرامین ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں جن میں سے اکثر منظر شہود پر آ گئے ہیں لیکن ان کی ایک بہت بڑی تعداد اب بھی لوگوں کے پاس موجود ہے۔ جو وہ کسی کو دکھانے سے گریز کرتے ہیں ریاست بھوپال کے ایک خاندان میں فیروز شاہ کے زمانہ کا ایک وقف نامہ موجود ہے جس کے متعلق ایک صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ بمقابلہ کسی کو دینے یا دکھانے کے میں اس کو تلف کر دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں

لکھ دی گئی ہے۔

خدا کی مہربانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے گذشتہ بادشاہوں اور امیروں کی بنوائی ہوئی عمارتوں اور آثار میں سے جو زمانہ کی دستبرد اور لوگوں کی لاپروائی سے خستہ و خراب ہو گئی تھیں چند کی مرمت کرائی اور اُن میں جدید عمارتوں کا اضافہ کر کے اُن کو خوشنما بنایا اور اُن کے استحکام کا خود اپنی تعمیر کردہ عمارتوں سے زیادہ خیال رکھا۔

چنانچہ دہلی کی قدیم جامع مسجد جس کی بنیاد معز الدین سام نے رکھی تھی[1] اپنی 18
قدامت کے لحاظ سے مرمت و تعمیر کی محتاج تھی۔ میں نے اس طرح اس کی مرمت کرائی کہ وہ از سرِ نو مضبوط ہو گئی۔

سلطان معز الدین سام کے مقبرے کی مغربی دیوار اور دروازے کے تختے پرانے اور کمزور ہو گئے تھے، ان کی تجدید کرائی اور بجائے معمولی لکڑی کے اس کے دروں، طاقوں اور زینوں کو صندل کی لکڑی سے ۔۔۔۔

---

[1] یہ مسجد جس کا ذکر ہم عصر تواریخ میں مسجد قوۃ الاسلام کے نام سے آتا ہے معز الدین سام کے زمانہ میں قطب الدین ایبک نے بنوانی شروع کی تھی۔ اور اس کے جانشینوں میں سے اکثر بادشاہوں نے اس میں محراب، دروازے اور میناروں کا اضافہ کیا۔ لیکن مسجد پایۂ تکمیل کو کبھی نہ پہنچ سکی۔ اور آج تک اسی طرح ناتمام ہے۔ سب سے پہلے معز الدین سام کے عہد میں پانچ در بنوائے گئے جن پر سنہ ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) تاریخ کندہ ہے۔ التمش نے ان دروں کے دونوں جانب ۳، ۳ محرابوں کا اضافہ کیا۔ ان پر بھی سنہ ۶۳۱ھ (۱۲۳۳ء) کندہ ہے۔ سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء) میں علاء الدین نے اس میں ایک دروازہ کا اضافہ کیا۔ جو علائی دروازہ کہلاتا ہے۔ اور مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک نایاب نمونہ ہے۔

بنوایا۔[1]

سلطان معز الدین سام کے بنوائے ہوئے مینار کی، جو بجلی گرنے سے منہدم ہو گیا تھا، اس طرح مرمت کرائی کہ وہ پہلے سے بہتر ہو گیا اور اس کی بلندی میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔[2]

کچھ بددیانت لوگوں نے حوض شمسی[3] میں پانی آنے کے دروازوں کو اوپر سے بند کر دیا تھا اور اس طرح اس میں پانی آنے کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ میں نے ان بے مروت و بے شرم لوگوں کو سختی سے سزا دی اور پانی کے مسدود راستوں کو کھلوا دیا۔

---

[1] معز الدین سام (شہاب الدین غوری)، گو ہندوستان میں ملحدوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا تھا۔ لیکن اس کی نعش کو غزنی میں دفن کیا گیا تھا۔ اس لئے دہلی میں اس کے مقبرے کی مرمت صریحاً غلط ہے۔ یہ غلطی غالباً کتبہ کو صحیح نہ پڑھنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جس کا ذکر دیباچہ میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

[2] مسجد قوۃ اسلام کے ساتھ یہ مینار بھی جس کو آج قطب مینار کہتے ہیں بنانا شروع کیا گیا تھا۔ سر سید احمد خاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ دراصل یہ مینار ہندوؤں کے زمانہ کا ہے اور مسلمانوں نے اس میں ترمیم اور اضافہ کر کے اس کو تکمیل تک پہنچایا (آثار الصنادید صہ ۱۲/۱۷ باب سوم) اس پر سب سے پہلا کتبہ معز الدین سام اور قطب الدین کے نام کا ہے۔ اس واسطے اس کو معز الدین سام کا مینار کہا گیا ہے اور اسی وجہ سے اس کو قطب مینار بھی کہتے ہیں (بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ نام حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کی نسبت سے مشہور ہے جن کا مزار اس کے قریب ہی ہے) شمس الدین التمش نے اس کو پورا کیا۔ فیروز تغلق نے ۱۳۶۸ء میں مینار کا ساتواں درجہ تعمیر کرایا، لیکن وہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

[3] سلطان شمس الدین ایلتمش نے دہلی میں پانی کی قلت کو دور کرنے کے واسطے ایک حوض بنوایا تھا۔ علاء الدین خلجی نے اس کی مرمت کروائی اور اس کے وسط میں ایک چبوترہ اور برجی بنوائی تھی۔ (آثار الصنادید طبع سویم صہ ۲۳)

حوض علائی[1] کی بھی یہی حالت تھی۔ کہ لوگوں نے اس کو مٹی سے پاٹ دیا تھا۔ اور اس میں پانی خشک ہوگیا تھا۔ شہر کے لوگ اس میں کھیتی کرتے تھے اور انہوں نے اس کے اندر کوئیں بھی کھدوا لئے تھے جس کے پانی کو فروخت کرتے تھے، میں نے ایک قران[2] کے بعد اس کو کھدوایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ بڑا تالاب سال بسال پانی سے بھرا رہتا ہے۔

اور اسی طرح آفتاب دنیا و دین شمس الدین التمش (کہ خدا ان سے راضی ہو) کے مدرسہ کے جو حصے منہدم ہوگئے تھے، ان کو دوبارہ تعمیر کرایا، اس کے دروازے صندل کی لکڑی کے بنوائے، مقبرے کے جو ستون گر گئے تھے، ان کی جگہ اس سے بہتر لگوا دیئے، اور مقبرے کا صحن جس کو بناتے وقت پختہ نہ کیا گیا تھا اس کو اب چونے سے پختہ کرا دیا اور گنبد کے نیچے ایک زینہ پتھر سے ترشوا کر اضافہ کیا گیا[3]، چاروں برجوں کے پشتی بان[4] جو گر گئے تھے ان کو بھی تعمیر کر دیا گیا۔

---

[1] حوض علائی علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا حوض تھا۔ اس کو حوض خاص بھی کہتے ہیں۔ اس کے قریب فیروز شاہ نے ایک مدرسہ بھی بنوایا تھا، اور یہیں اس کی قبر بھی ہے (آثار الصنادید ص ۲۵) لیکن اب اس کا پتہ نہیں چلتا [2] بعض نے قران کی مدت سو، بعض نے اسّی اور بعض نے تیس برس قرار دی ہے۔ برنی نے ایک جگہ دو قرن یعنی ۶۲ برس (ص ۱۱۵) دوسری جگہ ۷۴ برس یعنی ڈھائی قران (ص ۵۷۳) اور تیسری جگہ کچھ اور کہا ہے۔ اس طرح شیخ عبد الرشید کا یہ استدلال کہ برنی کے نزدیک قران اکتیس برس کا ہوتا ہے غلط ہے برنی بھی اس مدت کو تیس کے لگ بھگ ہی قرار دیتا ہے۔ قران کی مدت دراصل ایک "نسل" کی مدت ہے۔ اور وہ ہر زمانہ میں مختلف رہی ہے۔ یہاں بھی مراد تیس برس ہے۔ [3] آثار الصنادید ص ۲۵) [4] قدیم و متوسط دور میں فصیل اور دیواروں کی مضبوطی کے واسطے بیرونی جانب پشتہ لگا دیئے جاتے تھے ان کو پشتی بان کہتے تھے۔

اور شمس الدین کے لڑکے معز الدین (بہرام) کا مقبرہ جو ملک پور میں ہے اس حد تک منہدم ہو گیا تھا گویا تھا ہی نہیں اس کا گنبد، چبوترہ اور احاطہ جو گر گیا تھا دوبارہ بنوایا۔

اسی طرح سلطان شمس الدین کے لڑکے سلطان رکن الدین کے مقبرے کا جو ملک پور میں ہے، احاطہ درست کرایا، اس میں نیا گنبد بنوایا اور ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔

اور سلطان جلال الدین (خلجی) کے مقبرے کی مرمت کرائی اور ایک نیا دروازہ بنوایا۔ ۱۹

پھر سلطان علاء الدین (خلجی) کے مقبرے کی مرمت کرائی اور اس میں صندل کے دروازے لگوائے۔ اور آبدار خانہ[1] اور مسجد کی مغربی دیوار کی جو مدرسہ کے اندر ہے، بنیاد[2] تک مرمت کرائی۔

اور سلطان قطب الدین (مبارک خلجی) اور سلطان علاء الدین خلجی کے لڑکوں خضر خاں[3] اور شادی خاں و فرید خاں و سلطان شہاب الدین و سکندر خاں و محمد خاں و عثمان خاں اور اس کے پوتوں اور پڑپوتوں کے مقبروں کی از سر نو مرمت کرائی۔[4]

---

[1] آبدار خانہ یا پانی کا وہ ذخیرہ یا سقایہ ہوتا ہے جس سے لوگ وضو کرتے ہیں [2] قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس بالکل منہدم شدہ عمارت ہے۔ مسجد اور مدرسہ جو اس کے قریب تھا وہ بھی اب منہدم ہو گیا ہے [3] فتح چتوڑ کے بعد علاء الدین نے خضر خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ یہ وہی خضر خاں ہے جس کے نام پر امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ یا دول رانی و خضر خاں لکھی ہے [4] شہاب الدین علاء الدین کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا جس کو ملک کافور نے تخت نشین کرایا تھا [5] برنی نے شاہزادوں کی فہرست میں سکندر خاں اور محمد خاں کا ذکر نہیں کیا۔ برنی ص ۳۴۰۔

اور سلطان المشائخ حضرت نظام الحق والدین محبوب الٰہی (خدا ان کی قبر کو منور کرے) کے مقبرے کے دروازوں اور جالیوں کو بھی صندل سے بنوایا اور سونے کی قندیلیں گنبدی سقف میں سنہری زنجیروں سے چاروں گوشوں میں لٹکوا دیں۔ اس کے علاوہ ایک نیا جماعت خانہ[1] بھی بنوایا کہ ویسا اس سے پہلے موجود نہ تھا۔ اور ملک تاج الدین کافوری[2] جو سلطان علاء الدین کا بہت بڑا وزیر تھا۔ اور بہت زیادہ فہیم و دانشمند ہونے کے علاوہ اس نے بہت سے ایسے ملک فتح کیے تھے جہاں گذشتہ بادشاہوں کے گھوڑوں کے قدم کبھی نہ پہنچ سکتے۔ اور ان مقامات پر اس نے سلطان

---

[1] اب اس عمارت کو مجلس خانہ کہتے ہیں (آثار الصنادید حاشیہ صہ ۳۳) یہ خیال کہ فیروز نے مسجد بنوائی تھی اس لیے مغالطہ ہے کہ اول تو وہ خود اس کو مسجد لکھتا، دوسرے خدام میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ مسجد فیروز شاہ سے قبل ہی تعمیر ہو گئی تھی تیسرے "ذکر خواجہ" مصنفہ شیخ علی میں تصریحاً لکھا ہے کہ یہ مسجد خضر خاں پسر علاء الدین خلجی نے تعمیر کی تھی۔ [2] ملک کافور جس کو علاء الدین کے دربار سے تاج الملک کا خطاب ملا تھا اور جو ہزار دیناری کہلاتا تھا گجرات کی فتح میں بطور مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔ اس سے قبل وہ شہر کھمبایت کے کسی خوجہ تاجر کا غلام تھا جس نے اس کو غالباً ایک ہزار دینار میں خریدا تھا، کافور علاوہ حسن صورت کے انتظامی اور فوجی قابلیت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتا تھا۔ اور اسی وجہ سے علاء الدین جیسے سخت لیکن بیدار مغز بادشاہ کا مطبوع نظر بن گیا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا عصامی اس کو مرہٹہ نژاد لکھتا ہے (فتوح السلاطین صہ ۳۱۱) اور بدایونی نے اس کو ملک نائک لکھا ہے مورخین کا عام طور پر خیال یہ ہے کہ وہ ابتداءً ہندو تھا۔ لیکن دربار علائی سے وابستہ ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ تاریخ سے اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن بعض قرائن سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے۔ جن کی تفصیل کے واسطے دیکھئے میری تصنیف "ہسٹری آف دی خلجیز آف علاء الدین خلجی باب دہم) علاء الدین نے اس کو دکن کی فتوحات پر مامور کیا اور وہاں اس نے جو شہرت اور ناموری حاصل کی وہ دور متوسط کے کسی اور جنرل کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ملک کافور دور متوسط کا سب سے بڑا جنرل تھا برنی نے ملک تاج الدین کافور اور کافور ہزار دیناری کو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے

علاء الدین کا خطبہ پڑھوایا تھا۔ اور جو ۵۲ ہزار سواروں کا سالار تھا۔ اس کا مقبرہ زمین میں دھس گیا تھا اور مزار زمین کے برابر ہو گیا تھا، اس کو بھی از سر نو بنوا دیا گیا۔ کیونکہ وہ بادشاہ کا وفادار اور خیر خواہ تھا۔[1]

اور دارالامان[2] میں جہاں (میرے) بزرگوں کی آخری آرام گاہ اور قبریں ہیں صندل کے دروازے لگوائے اور ان عالی مرتبت بزرگوں کی قبروں پر خانہ کعبہ کے دروازہ کے پردوں کا شامیانہ لگوایا۔ ان مقبروں اور مدرسوں کی مرمت و تعمیر کا انتظام ان سے متعلق جو قدیم اوقاف تھے ان کی آمدنی سے مستقلاً کر دیا گیا۔ اور جہاں پہلے سے کوئی آمدنی معین و مقرر نہ تھی وہاں اس کام کے واسطے دیہات مخصوص کر دیئے تاکہ اس آمدنی سے اس مقام پر آنے والے لوگوں کی ضروریات، فرش و فروش، روشنی
٢٠ اور دوسرے ضروری کاموں کا خرچ ہمیشہ چلتا رہے۔

اسی طرح جہاں پناہ کو، جو میرے ولی نعمت اور آقا محمد شاہ (تغلق) مرحوم و مغفور کی بنوائی ہوئی ہے، جنہوں نے مجھ کو پالا اور پرورش کیا تھا، دوبارہ آباد کیا۔

اور اسی طرح سلطنت دہلی کے تمام قلعوں کی جن کو شاہان ماسبق نے بنوایا تھا مرمت کرائی۔

---

[1] ضیاء الدین برنی نے ملک کافور کو دوسرے ہی رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ اس کو "کافر نعمت" "حرام خور" "نابودن" اور اسی قسم کے مذموم اور رکیک الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ امیر خسرو نے خزائن الفتوح میں تو اس کی تعریف کی ہے لیکن مثنوی دیول دیوی اور خضر خاں (عشقیہ) میں اس کو بہت مطعون کیا ہے۔

[2] محمد شاہ تغلق نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق کا یہ مقبرہ بہت پختہ اور عالیشان بنوایا تھا۔ اور خود بھی اسی میں مدفون ہے۔ اس زمانہ میں اس عمارت کو دارالامان کہتے تھے۔

اسی طرح میں نے مدرسوں، مقبروں اور گذشتہ شاہان ذی وقار اور بزرگان دین کے مزاروں کے لئے قدیم گاؤں زمینوں اور اوقاف کو دوبارہ جاری کیا تاکہ ان مقامات مقدسہ کے واسطے جس سامان کی ضرورت ہو، یا جو لوگ وہاں آئیں ان کی ضروریات کو اس سے پورا کیا جا سکے۔ بیش بریں اگر کہیں پر اوقاف یا دوسرے ذرائع آمدنی نہ تھے تو میں نے اُس کا انتظام کر دیا تاکہ یہ کار خیر ہمیشہ کے واسطے جاری ہو جائے۔ اور آنے جانے والے صاحب علم اور خدا رسیدہ بزرگ وہاں ٹھہر کر آرام پائیں اور ان کو نیز مجھ کو دعائے خیر سے یاد کریں[۱]۔

پھر خدائے تعالیٰ نے مجھ کو یہ توفیق دی کہ میں نے ایک شفاخانہ قائم کیا[۲] تاکہ غریب یا امیر کوئی بھی بیمار ہو یا کسی مرض میں مبتلا ہو وہاں آجائے۔ اس جگہ طبیب لوگ موجود رہتے تھے تاکہ مرض کی نوعیت معلوم کر کے علاج اور پرہیز بتلائیں اور دوا دیں۔ دوا اور غذا کی قیمت اوقاف کی رقم سے دی جاتی ہے۔ تمام مریض خواہ مقامی ہوں یا مسافر، سفید پوش ہوں یا اشراف، آزاد ہوں یا غلام، وہاں آتے اور علاج کراتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفا پاتے ہیں۔

ایک بات یہ ہے کہ خدائے قادر و مطلق نے اس گناہگار بندہ کو یہ توفیق

---

[۱] برنی اور عفیف دونوں نے بہت تفصیل سے فیروز کے ان کارناموں کا ذکر کیا ہے جس میں علماء، فقرا اور درویشوں کے واسطے بیش قرار آمدنیاں وقف کی گئی ہیں۔ دیکھئے برنی صفحات ۱۵۲، ۵۴۳، ۵۵۸ عفیف۔ [۲] عفیف نے اس کے متعلق کچھ تفصیلات دی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کو صحت خانہ بھی کہتے تھے۔ اور اس میں علاوہ معمولی طبیبوں کے جراح و کحال بھی مقرر تھے۔ جو زخموں اور آنکھوں کی بیماریوں کے ماہر ہوتے تھے۔ مریضوں پر پوری توجہ کی جاتی تھی اور اس پر کافی رقم صرف کی جاتی تھی جس کے واسطے زرخیز گاؤں کی آمدنیاں وقف تھیں۔ عفیف ص۳۵۳ تا ۳۵۹۔

عطا فرمائی کہ سلطان محمد تغلق مرحوم و مغفور (خدا ان کی قبر کو معطر کرے) کے زمانہ میں
جو میرے آقا، مخدوم اور مربی تھے، جو لوگ خدا کے حکم سے قتل ہوئے تھے[۱] یا جن کے
۲۱ اعضاء مثلاً آنکھ، ناک یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے تھے۔ میں نے ان کے وارثوں
سے بادشاہ مرحوم و مغفور کے حق میں فرد خوشنودی حاصل کی۔ ہر ایک کو روپیہ دے
کر راضی کیا اور ان سے رضامندی کے خطوط حاصل کرکے، جن پر معتبر گواہوں کی
تصدیق تھی، ان کو ایک صندوق میں رکھ کر دارالامان یعنی سلطان مرحوم و مغفور (خدا
ان کی قبر کو منور کرے) کے مقبرے میں سرہانے کی جانب رکھوا دیا، تاکہ
خدائے تعالیٰ اپنی عام مہربانی سے میرے اُن محسن اور ولیٔ نعمت کو بخش دے
اور اُن لوگوں کو میرے ان مخدوم کی طرف سے خوش کرکے اپنے خزانوں سے مالا
مال کر دے[۲]۔

خدا کی مہربانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض وجوہ سے لوگوں کی قدیم
جائیدادیں کے گاؤں اور زمینیں گذشتہ زمانہ میں ضبط کر لی گئی تھیں[۳] اور ان کے قبضہ سے

---

[۱] محمد تغلق جس طرح مخیر تھا اسی طرح سزا دینے میں بھی بہت سخت تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کا دروازہ کبھی فقیروں اور مقتولوں سے خالی نہیں رہتا تھا۔ ان میں اکثر بے قصور بھی مارے جاتے تھے۔ فیروز ان کو بے قصور سمجھتے ہوئے بھی محمد تغلق کی بریت اس طرح کرتا ہے کہ خدا کا حکم یوں ہی تھا۔ [۲] مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ان گناہوں کو تو معاف کر دیتا ہے جن کا تعلق اس کی ذات سے ہے لیکن حقوق العباد سے متعلق کو معاف نہیں کرتا۔ جب تک کہ خود اہل معاملہ اس کو معاف نہ کریں اسی واسطے فیروز نے محمد تغلق کی اخروی نجات کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا۔ [۳] علاؤالدین نے بغاوتوں کے انسداد کے لئے جہاں اور انتظامات کئے تھے وہاں جائیدادوں کو بھی ضبط کر لیا تھا۔ چنانچہ نہ صرف انعام و املاک بلکہ اوقاف کے گاؤں بھی خالصہ زمین میں شامل کر لئے گئے تھے۔ (برنی صفحہ ۲۸۳)

نکل کر سلطنت کے ماتحت آگئی تھیں، میں نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ان کی ملکیت کا ثبوت ہو وہ اس کو شرعی عدالت میں پیش کریں۔ اور ثبوت دینے کے بعد جائیداد یا زمین کا جو حصہ ان کی ملکیت قرار پائے وہ ان کے قبضہ میں دیدیا جائے خدائے تعالیٰ کا بے حد شکر اور عنایت کہ اس نے مجھ کو یہ فضیلت عطا فرمائی اور میری وجہ سے مستحقین کو اپنے حقوق مل گئے۔

ایک بات یہ ہے کہ میری کوشش سے اہل ذمہ[1] کو سچا مذہب اختیار کرنے کی توفیق ہوئی کیونکہ میں نے اعلان کر دیا کہ کافروں میں سے جو کوئی بھی کلمہ توحید[2] پڑھ کر اور دین اسلام قبول کر لے اس کو شرع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ جب یہ اعلان لوگوں نے سنا تو ہندوؤں کی جماعتیں جوق در جوق آکر دین اسلام اختیار کرنے لگیں۔ اور آج تک یہی حالت ہے کہ وہ لوگ اطراف و اکناف سے برابر آتے اور ایمان لاتے ہیں اُن پر سے جزیہ معاف کر دیا جاتا ہے اور ان کو انعام و اکرام اور خلعت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے (خدائے دو عالم کی بے حد تعریف ہو)

پھر خدا کی عنایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ میرے عہد حکومت میں خدا کے بندوں کی عزت و آبرو، جان و مال محفوظ و مامون ہے۔ اور میں اس کی مطلق اجازت نہیں دیتا کہ کسی کی ملکیت میں تھوڑا بہت یا کم و بیش کچھ بھی تصرف کیا جائے۔ اکثر ۲۲

---

[1] یہاں اہل ذمہ سے مراد ہندو ہیں جس کی آگے تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ مصنف نے غیر مسلم رعایا کو اس زمانہ کی اصطلاح میں تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اہل کفر یا اہل دار الحرب، ذمی و امانی[3]

[2] کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

فتنہ پرداز لوگوں نے مجھ کو اطلاع دی کہ فلاں تاجر لکھ پتی ہے یا فلاں عامل[1] نے لکھوکھا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن میں نے تنبیہ و سزا سے ان چغل خوروں کی زبان بند کر دی حتیٰ کہ لوگ اس طبقہ کے شر سے محفوظ ہو گئے اور اس مہربانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ سب میرے وفادار اور مداح بن گئے۔[2]

قطعہ

نیک نام بنو، کیونکہ سخاوت کا خزانہ لوگوں سے حاصل کی ہوئی دولت کے مقابلہ میں سو بار بہتر ہے۔ نیک نامی بہتر ہے کہ خزانوں کا ڈھیر؟ ایک دعا بہتر ہے یا سو گدھوں پر لدا ہوا مال؟

ایک بات یہ بھی ہے کہ خدا کی مہربانی سے میرے دل میں فقیروں اور غریبوں کی خاطرداری اور ان کی تالیف قلوب کا جذبہ پیدا ہوا، حتیٰ کہ جہاں کہیں مجھے

---

[1] عامل سرکاری عہدہ دار یا حاکم۔ لیکن اصطلاحاً ٹیکس وصول کرنے والا۔ یہ لوگ عموماً مقررہ شرح سے بہت زیادہ رقم لوگوں سے وصول کیا کرتے تھے۔ اس واسطے عام طور پر مالدار ہوتے تھے۔ علاؤالدین نے ان کی سختی کے ساتھ نگرانی کی اور رشوت خوروں کو انتہائی سخت سزائیں دیں۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز کی نرم حکومت میں انہوں نے پھر لوگوں کو لوٹ لوٹ کر اپنا گھر بھرنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ طبقہ کافی مالدار ہو گیا تھا۔ [2] زمانہ قدیم و متوسط میں دنیا کے تقریباً ہر ملک کی تاریخ اس قسم کی مثالوں سے پر ہے۔ جب بادشاہوں نے متمول لوگوں کی دولت پر بلاوجہ تصرف کر لیا۔ فیروز چونکہ ایک آئینی فرمانروا بننا چاہتا تھا۔ اس واسطے اس نے حکم دیدیا کہ کسی کی پرائیویٹ دولت پر قبضہ نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس معاملہ میں عمال سلطنت سے بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ برخلاف اس کے علاء الدین نے عمال کی نگرانی اس سختی سے کی تھی کہ رشوت ستانی کے واسطے مطلق گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیروز کے زمانہ میں عمال کافی دولت مند ہو چکے تھے۔ اور چونکہ اب ان کو سلطنت کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا اس واسطے وہ خوب روپیہ جمع کرتے تھے اور مالدار بن گئے تھے۔

کوئی فقیر یا تارک الدنیا شخص ملتا ہے، میں اس کی ملاقات کے واسطے جاتا اور دعا کے ذریعہ سے اس کی مدد حاصل کرتا ہوں تاکہ اس مثل کے مصداق کہ "وہ امیر سب سے بہتر ہے جو فقیر کے دروازے پر جاتا ہے" فضیلت حاصل کروں۔

پھر سرکاری عہدہ داروں میں سے جو شخص ایک خاص عمر طبعی کو پہنچ جاتا اور بوڑھا ہو جاتا ہے اس کے واسطے معاش کا انتظام کر کے اسے فرائض منصبی سے سبکدوش کر دیتا ہوں اور اسے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آخرت کے حصول کی کوشش کرے۔ اور جوانی کے زمانے میں شرع اور دین کے خلاف جن کاموں کا مرتکب ہوا ہے اُن سے توبہ کرے اور دنیا کی طرف سے منہ موڑ کر اُخروی امور کی طرف متوجہ ہو۔[1] رباعی

جب ہم بوڑھے ہو گئے تو جوانوں کے سے کام نہیں کر سکتے۔ یہ پیرانہ سالی ہے کافری نہیں ہے۔ کہ اس کو پوشیدہ رکھا جا سکے۔ رات کی تاریکی میں تو جو کچھ تم نے کیا، کر لیا۔ لیکن دن کی روشنی میں ایسا کرنا ممکن

---

[1] فیروز تغلق نے جو آئین وضع کئے تھے ان میں پنشن کا دستور بھی تھا جس کو آج تمام متمدن دنیا نے اختیار کر لیا ہے اس میں عمر یا رقم کی صراحت نہیں کی گئی۔ گمان غالب یہ ہے کہ سبکدوشی آج کل کی رسم کے برخلاف کسی خاص عمر پر پہنچنے کی وجہ سے نہیں بلکہ کام کرنے کی نااہلیت اور قوئی جسمانی کی کمزوری کے معیار پر ہوتی تھی۔ اسی طرح پنشن کی شرح بھی شخصی حیثیت اور خرچ کے اندازے کی نسبت سے مقرر کی جاتی تھی۔ زمانہ وسطی کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ بادشاہوں نے عہدہ داروں کو سبکدوش ہوتے وقت پنشن اور جاگیریں عطا کیں۔ لیکن پنشن کا قاعدہ سب سے پہلے فیروز ہی نے وضع کیا۔ اور ایک مذہبی بادشاہ ہونے کی وجہ سے اس پنشن کے ساتھ ساتھ اخروی بہبودی کی شق بھی لگا دی۔

۳۳ نہیں[1]۔ پھر اس اصول کے مطابق کہ قطعہ

بڑے لوگوں کا یہ طریقہ اور عمل ہے کہ وہ نیک لوگوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور جب کوئی ان میں سے مر جاتا ہے تو اس کے بیٹوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔

شاہی عہدہ داروں میں سے جو لوگ صاحب عزت و مرتبت ہوتے ہیں اور وہ خدا کے حکم سے اس دار فانی سے سرائے جاودانی کی طرف کوچ کر جاتے ہیں میں انکا عہدہ اور تنخواہ اس کے لڑکوں کو دے دیتا ہوں تاکہ ان کو بھی اپنے باپ کی سی عزت مرتبہ اور بلندی حاصل ہو اور ان کی حیثیت میں کمی واقع نہ ہو[2]۔ قطعہ

بادشاہوں کا طور و طریق یہ ہے کہ وہ اہل عقل کو سرفراز کرتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں کے بھی ہوا خواہ رہتے ہیں۔

پھر سب سے بڑی اور بہترین نعمت، جو اس ملک عطا کرنے والے نے اس بندہ کو عطا فرمائی یہ ہے کہ اس نے مجھ کو اس کی توفیق دی اور میرا یہ اعتقاد

---

[1] پیرانہ سالی کو سفید بالوں کی نسبت سے دن اور جوانی کو سیاہ بالوں کی نسبت سے رات قرار دیا جاتا ہے

[2] اس دور میں جبکہ مرتبت اور شرافت کا معیار آج کل کے مغربی معیار سے بالکل مختلف تھا خاندانی اور نسلی امتیاز کو قائم رکھنے کے واسطے باپ کا عہدہ عموماً بیٹے کو دیا جاتا تھا۔ باپ اپنے دور حیات میں بیٹے کو اس عہدہ کے تمام فرائض اور مشکلات سے آگاہ کر دیتا تھا۔ اور وہ باپ کے تعلیم اور تجربات سے فائدہ اٹھا کر اچھا عہدہ دار ثابت ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ کلیہ بن گیا تو ہندوؤں کی ذاتوں کے مانند اس میں بھی خرابیاں واقع ہونی شروع ہوئیں۔ بالآخر اس دستور کو توڑ دیا گیا۔ اور انفرادی قابلیت کو حصول عہدہ کا معیار قرار دیدیا گیا۔ چنانچہ آج بھی اصولاً اسی پر عمل در آمد ہے۔

راسخ و پختہ ہو گیا کہ خلیفہ وقت کی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم[1] ہیں، اطاعت و فرمانبرداری، ہوا خواہی اور خدمت گذاری کا پروانہ حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ سلطنت کرنے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور جب تک کوئی بادشاہ اپنے آپ کو ان کے دربار سے وابستہ نہ کرے اور اس مقدس درگاہ سے اجازت نامہ حاصل نہ کرے اس کا سلطنت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ دربار خلافت مقدسہ سے میرے حق میں فرمان صادر ہوئے جن کی رو سے مجھ کو خلیفہ کا نائب مقرر کر کے کلی اختیارات عطا کئے گئے۔ اور عالی مرتبت امیر المومنین[2] نے میری بیعت[3] ۲۴
کے جواب میں جو فرمان جاری کیا اس میں مجھ کو "سید السلاطین" (بادشاہوں کے سردار) کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور اس دربار خلافت نے مجھ کو متواتر عبا، علم، انگوٹھی، تلوار اور قدم شریف جیسے تحفے عنایتیں اور خلعتیں حاصل ہوئیں۔ جو میرے واسطے باعث فخر و سعادت ہیں[4]۔

---

[1] یہ زمانہ خلافت بنو عباسیہ کا تھا۔ یہ خاندان چونکہ آں حضرت صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل سے تھا اس لئے انہوں نے اپنے واسطے منجملہ اور تعریفی صفات و خطابات کے "ابن عم رسول" کا لقب بھی اختیار کر لیا تھا

[2] ابتدائی زمانہ ہی سے خلیفہ کو "امیر المومنین" کے لفظ سے خطاب کیا جاتا تھا [3] بیعت قدیم عربی طریقہ تھا۔ جس میں امیر وقت سے تحریراً، اعلاناً یا بالواسطہ وفاداری کا اظہار کیا جاتا تھا [4] اسلام میں اصولاً صرف ایک ہی فرمانروا ہو سکتا ہے۔ جو خلیفہ کہلاتا ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ سے خلافت سلطنت میں تبدیل ہو گئی لیکن یہ اصول پھر بھی قائم رہا۔ بنو عباسیہ کے انحطاط پر جب جگہ جگہ مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئیں تو خلافت کی مرکزی حیثیت برقرار رکھنے کے واسطے یہ اصول اختراع کیا گیا کہ خلیفہ ان خود مختار حکمرانوں کو اپنی طرف سے ایک پروانہ عطا کرتا تھا۔ جس میں اپنی طرف سے اس کو نائب السلطنت اور فرمانروا د
(باقی اگلے صفحہ پر)

خدائے تعالیٰ کی ان مہربانیوں کے ذکر سے، جو ہزار میں ایک، از دریا میں سے بمنزلہ قطرہ کے ہیں، میرا مقصد یہ ہے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کیا جائے۔

نیز جو لوگ نیکی اور سعادت مندی کے خواہش مند ہوں وہ اس کو پڑھ

(بقیہ صفحہ سابق) سلطان تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس پروانہ کے حصول کا خیال سب سے پہلے ایلتتمش کو پیدا ہوا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں چونکہ ناصر الدین قباچہ اور تاج الدین یلدوز دعویٰ دار سلطنت تھے۔ اس لئے اس کو ضرورت پیش آئی کہ خلیفہ سے اپنے نام کا پروانہ سلطنت حاصل کر کے اپنے حق کو قانوناً تسلیم کرا لیا جائے۔ اس کے بعد محمد تغلق تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ سیرۃ فیروز شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ محمد تغلق نے اپنے وسیع مطالعہ کے ذریعہ سے معلوم کیا کہ بلا خلیفہ کی منظوری کے سلطنت کرنا جائز نہیں۔ (چنانچہ وہ ایک عرصہ کے واسطے امور سلطنت کے انصرام سے دستکش ہو گیا)، اس لئے اس نے رجب برقانی کو بارگاہ خلافت میں منشور حاصل کرنے کے واسطے بھیجا اور اس طرح یہ رسم جاری ہو گئی۔ محمد تغلق کے بعد فیروز شاہ کے واسطے بھی فرمان جاری ہوا۔ اور ہر سال آستانۂ خلافت سے تحفے اور خلعت آتے رہے۔ سب سے پہلے سنہ ۷۵۴ھ میں خلیفہ المعتضد باللہ نے فیروز کو پروانہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کو "سیف الخلافت، قاسم امیر المومنین" کا خطاب عطا کیا اس کے بعد جب المتوکل خلیفہ ہوا تو سنہ ۷۶۳ھ میں اس نے بھی فیروز کو اسی طرح سرفراز فرمایا۔ اور "سید السلاطین" کا خطاب عطا کیا۔ اس فرمان کا جو خلاصہ مصنف سیرۃ نے دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دربار خلافت کس حد تک ہندوستان اور فیروز کی سلطنت کے حالات سے لاعلم تھا۔ تیسرا فرمان سنہ ۷۶۶ھ میں موصول ہوا۔ جس میں فیروز کو مندرجہ بالا دونوں خطابات سے یاد کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہر سال اسی قسم کے فرامین اور پروانے صادر ہوتے رہے۔ تفصیل کے واسطے دیکھیے سیرۃ فیروز شاہی نسخہ علی گڑھ)

کہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہی طریقہ پسندیدہ ہے[1] اور خلوص کا تقاضہ یہی ہے کہ اسی کے مطابق خود بھی عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل کریں تاکہ خود بھی اپنے اعمال کی جزا پائیں۔ اور مجھ کو بھی انہیں سیدھا راستہ دکھانے کا ثواب حاصل ہو۔ بمصداق "جو شخص نیکی کا راستہ دکھاتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو خود نیکی کرتا ہے"

تمام شد

---

[1] ان آخری سطروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نظام الدین نے طبقات اکبری میں اس کتاب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہوگا کہ بادشاہ نے اس عبارت کو فیروز آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے گنبد پر کندہ کرا دیا تھا۔ تاکہ لوگ جو کثرت سے جامع مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے اس کو پڑھیں۔ بادشاہ کے کارناموں سے متاثر ہوں اور مخالفین نے جو خیالات اس کے متعلق پھیلائے تھے ان کو دل سے دور کر دیں۔ برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فیروز کے ابتدائی دور ہی میں بہت زیادہ لوگ دور و نزدیک سے دہلی آگئے تھے (برنی ص ۵۴۳) چنانچہ ان کے ذریعہ سے تمام ملک میں ان کارناموں کو شہرت دینے کی یہ صورت اختیار کی گئی

ہماری مطبوعات

۱-اسلامی مصوری۔تاریخی ارتقا۔از ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی قیمت عہ
۲-اسلامی کوزہ گری،مسلمانوں کے اس فن جمیل کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی مع تصویر۔قیمت ۱ر

۳-حالات ہنروران۔فارسی ۹۵۱ھ میں تصنیف ہوا جس میں نقاشوں اور خطاطوں کے حالات ہیں۔مرتبہ عبد اللہ چغتائی۔قیمت عہ

۴-ریحان نستعلیق۔فارسی ۹۹ھ میں فن خطاطی کے متعلق لکھا گیا۔ مرتبہ عبد القادر چغتائی۔قیمت ۱۲ر

۵-تاریخ مظفر شاہی۔فارسی۔از قانعی واقعات ۹۲۴ھ مابین سلاطین مالوہ و گجرات۔قیمت ۳ے

۶-فتوحات فیروز شاہی۔(فارسی و ترجمہ اردو مع تعلیقات) فیروز شاہ تغلق نے خود اپنے حالات قلمبند کئے ہیں۔قیمت ۱۲ر

۷-مراۃ الشعر۔از شمس العلماء مولانا عبد الرحمٰن۔قیمت ۵ہر

۸-اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر۔از علامہ شبلی نعمانی قیمت ۱۲ر

۹-اسلامی جغرافیہ اور تجارت کا اثر یورپ پر از ایچ کرامرز اردو ترجمہ از لیگیسی آف اسلام۔قیمت لہر

۱۰-واقعات عالمگیری۔از عاقل خاں رازی شاہجہاں کے فرزندوں کے جنگ تخت نشینی کے چشم دید حالات کو بیان کرتی ہے۔فارسی قیمت ۸ہر

کتاب خانہ نورس کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

(فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی پرنٹر و پبلشر چھپی)

had been inscribed on stone. It dealt with the endowment of *Masājid* as well as their proper arrangements and the abolition of old practices inflicting various punishments on Mussalmans. He reintroduced the names of previous Muslims kings in the *Khutba* of the Juma prayer. He prevented officers from charging undue revenue from the public in various institutions and order all to act strictly according to Islamic law and practice. The practice of allowing only one-fifth of the booty to the soldiers, instead of four-fifths, was brought to an end. He cast out from his kingdom all heretics and promulgators of new tenets and hypocrites who had caused the people to go astray. He also abrogated their customs and habits and books. Further he warned male people not to wear silken garments or to use silver and gold. He checked women; both Musliman and Hindu from visiting tombs, and temples, because it was a great cause of public degeneration. The monuments built by the former Sultan lying in dilapidated condition were duly repaired. These consisted of mosques, houses, colleges, wells, reservoirs, bridges and tombs, and endowments were made for their maintenance. The relatives of the late Sultan Muhammad Taghluq who had suffered at his hands were amply compensated by the State. The soldiers and the army leaders who had attained old age were granted stipends and gifts and directed to occupy themselves with pious deeds to ensure their salvation in the next world. His public buildings and works (1025 in number) are of every variety comprising canals, *bunds*, mosques, colleges, houses, wells, inns, towns, reservoirs, hospitals, mausoleums, public baths, minarets, bridges and gardens. Deeds of endowment were executed for each of these and remissions of revenue granted for them, and attendants were appointed for their up-keep and stipends were also fixed for them. He was poisoned twice, but he took it knowingly and received no hurt. He died on the 13th. Ramazan, 790 A. H. (15th Sept. 1389 A. D.). The chronogram *Wafat-i Firoz* (death of Firoz) gives 790 A. H. He was buried near the bank of Alau'd-Din Khalji's Hauz-i-Khas in Delhi.

Poona, M. A. CHAGHATAI.
1st Sept., 1941.